بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ولایت فقیہ

افسانہ وحقیقت

(دوسرا ایڈیشن مع اضافات)

آیت اللہ ڈاکٹر سید نیاز محمد ھمدانی

فہرست عناوین

نمبر	عنوان	صفحہ
1	حرفِ آغاز	6
2	اہم وضاحت	8
3	اہم اور قابل توجہ نکتہ	9
4	تمہید	11
5	مومنین کی ولایت	13
6	علماء وفقہاء کی ولایت	13
7	فقیہ کے معنی	15
8	مسئلہ ولایت فقیہ کی حیثیت	16
9	شیخ انصاری کا موقف	18
10	آیت اللہ سید احمد خوانساری کا موقف	18
11	آیت اللہ محمد علی اراکی کا موقف	19
12	آیت اللہ خوئی کا موقف	21
13	آیت اللہ جواد تبریزی کا موقف	22
14	آیت اللہ صادق تہرانی کا موقف	23
15	علامہ طباطبائی کا موقف	26
16	برادران اہل سنت کے استدلال	27
17	ولایت فقیہ کی پہلی دلیل	28
18	جواز حاکمیت	32
19	طاغوت کی عدالت کے بارے میں امام خمینی کا فتوی	34
20	حکم کے اختیارات	35
21	دوسری دلیل	44
22	ایک ضروری وضاحت	48
23	پہلی تشریح	49
24	دوسری تشریح	51
25	امام رضا علیہ السلام کی حدیث	51
26	تیسری دلیل	52

27	چوتھی دلیل	54	32	ایک سوال اور اس کا جواب	65
28	پانچویں دلیل	57	33	دلیل نما مغالطے	66
29	چھٹی دلیل	58	34	پاکستان کے مسائل اور ان کا حل	72
30	ساتویں دلیل	60	35	نائب امام کون؟	73
31	امام خمینی خلفاء کی تعریف کرتے ہوئے	64	36	کیا آیت اللہ خامنہ ای ولی فقیہ ہیں؟	79

37- نتیجہ بحث 82

انتساب:

امیرالمومنین امام المتقین
علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے نام

جنہوں نے فرمایا تھا کہ اگر ساری کائنات اوراس کی ساری دولت مجھے دے دی جائے اوراس کے بدلے میں مجھ سے یہ کہا جائے کہ ایک چیونٹی کے معاملے میں اللہ کی اتنی سی نافرمانی کروں کہ اس سے جو کا چھلکا چھین لوں تو میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔

(نہج البلاغہ خطبہ 221)

اس ایڈیشن کے بارے میں

ولایت فقیہ: افسانہ و حقیقت اسی بک کا دوسرا ایڈیشن پیش خدمت ہے۔ پہلے ایڈیشن کے بعد جہاں بہت سے احباب نے پسندیدگی کا اظہار کیا اور تعریفی کلمات سے نوازا وہیں کچھ سوالات بھی اٹھائے اور کچھ نکات کی مزید وضاحت کی بھی درخواست کی۔ ان کی اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے کچھ مقامات پر اضافات اور مزید تشریحات کے ساتھ دوسرا ایڈیشن پیش خدمت ہے۔

کچھ احباب کی طرف سے یہ سوال بھی اٹھایا گیا کہ پاکستان میں نظام ولایت فقیہ قائم ہونے کا دور دور تک کوئی امکان نہیں ہے، نہ ہی اس حوالے سے کوئی تحریک چل رہی ہے، کچھ لوگوں کی باتوں کی حد سے آگے یہ مسئلہ کوئی وجود نہیں رکھتا۔ پھر اس کے بارے میں کتاب لکھنے کی زحمت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

ان احباب کی خدمت میں عرض ہے کہ یہ بات بالکل درست ہے کہ پاکستان میں نظام ولایت فقیہ قائم ہونے کا دور دور تک کوئی امکان نہیں ہے، نہ ہی اس حوالے سے کوئی تحریک چل رہی ہے، کچھ لوگوں کی باتوں کی حد سے آگے یہ مسئلہ کوئی وجود نہیں رکھتا۔ لیکن جن لوگوں نے باتوں کی حد تک اس مسئلہ کو اٹھایا ہوا ہے ان کی پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ بہر حال ضروری ہے۔ خاص طور پر جب ان میں سے بعض لوگ اس حد تک انتہاء پسندانہ خیالات کا پرچار کر رہے ہوں کہ ولایت فقیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور مولا علی علیہ السلام کی ولایت کا تسلسل ہے، جو اس ولایت کو نہیں مانتا وہ درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مولا علی علیہ السلام کی ولایت کا منکر ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو افراط و تفریط سے دور رہ کر حقیقت پسندانہ روش اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

محتاج دعا: ڈاکٹر نیاز ہمدانی۔

2 جولائی 2022۔ لاہور

حرف آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا و مولینا ابی القاسم محمد وآلہ الطیبین الطاہرین المعصومین

مسئلہ ولایت فقیہ، فقہ کی تحقیقی اور استدلالی کتب میں ہمیشہ فقہاء کے زیر بحث رہا ہے اور اس پر فقہاء کے درمیان اختلاف رائے بھی موجود رہا ہے۔ لیکن انقلاب ایران کے بعد اس مسئلہ نے زیادہ اہمیت اختیار کرلی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انقلاب ایران کے بعد آیت اللہ خمینیؒ نے اپنے مخصوص نظریہ ولایت فقیہ کی بنیاد پر ایک سیاسی نظام کی بنیاد رکھی اور پھر بہت زور وشور سے اس کا پرچار شروع کردیا۔

ہمیں اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ ایران میں یا دنیا کے کسی اور ملک میں کونسا نظام حکومت برسرکار ہے۔ یہ خالصتاً ہر ملک کے عوام کا اپنا مسئلہ ہے کہ وہ کس نظام کو پسند کرتے ہیں اور کن لوگوں کو حق حکومت دیتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے پاکستان میں کچھ عناصر نے ایرانی نظریہ ولایت فقیہ کی وکالت اور پرچار کا کام شروع کردیا کہ ایران کے ولی فقیہ کو ساری دنیا کے شیعہ عوام پر حاکمیت حاصل ہے اور جو ان کی حاکمیت کو تسلیم نہیں کرتا وہ شیعہ ہی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں اس حد تک غلو کیا گیا کہ ایران کے ولی فقیہ کو نمائندہ امام زمانہ سلام اللہ علیہ، زمانے کا حسین اور زمانے کا علی جیسے القاب سے یاد کیا جانے لگا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ امام زمانہ کے چوتھے نائب کی وفات کے بعد کوئی نائب امام زمانہ نہیں ہے۔ زمانے کا حسین اور زمانے کا علی بھی اگر کوئی ہے تو وہ حضرت امام زمانہ علیہ السلام ہیں اور کوئی نہیں۔

اس گروہ کے اس طرز عمل کے کئی نقصانات ہوئے لیکن سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ پاکستان کے غیر شیعہ عوام میں اور پاکستان کے مقتدر حلقوں میں یہ تاثر پیدا ہوا کہ پاکستان کے شیعہ رہتے تو پاکستان میں ہیں لیکن ان کی وفاداریاں ایران کے ساتھ ہیں اور یہ ایران کے اشاروں پر چلنے والی قوم ہے۔ اس طرح پاکستان سے ان کی وفاداری مشکوک ہوگئی۔ ان عناصر کے اس غیر ذمہ دارانہ طرز عمل سے پاکستان کے شیعہ عوام کو اور بھی نقصانات اٹھانا پڑے ہیں۔ اس کے ردعمل میں دوسرے فرقے کے انتہا پسندوں نے بھی غیر ملکی آقاؤں کی امداد کے ذریعے اپنا مخصوص ایجنڈا نافذ کرنے کی کوششیں شروع کردیں۔ پھر اس صورت حال کا جو نتیجہ ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔

کچھ عرصہ قبل 25 مارچ 2012 کو میں نے ایران کے ولی فقیہ آیت اللہ سید علی خامنہ ای کو ای میل کے ذریعے ولایت فقیہ کے مسئلہ پر چھ سوال ارسال کیئے تھے۔ اگر وہ ان سوالوں کا جواب دے دیتے تو یقیناً اس کا بہت زیادہ فائدہ ہوتا۔ لیکن ان کی طرف سے یا ان کے دفتر کی طرف سے کوئی جوابات نہیں دیئے گئے۔ بعد میں ایک مقدمہ اور اختتامیہ کا اضافہ کر کے ان سوالات کو ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کر دیا گیا۔ کچھ جذباتی افراد کی طرف سے اس اقدام کو پسند نہیں کیا گیا کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ اس سے ملت میں اختلاف اور انتشار بڑھے گا اور یہ بھی کہ اس سے ولایت فقیہ کی مقدس گائے کی توہین ہوگی۔ لیکن سلجھے ہوئے اور سمجھدار طبقوں کی طرف سے اس کی کافی پذیرائی ہوئی۔ اسی سے حوصلہ پا کر یہ کتابچہ تحریر کرنے کا قدم اٹھایا۔

زیر نظر کتابچہ ''ولایت فقیہ: افسانہ وحقیقت'' مسئلہ ولایت فقیہ کے علمی اور استدالی پہلو کا ایک تحقیقی جائزہ ہے۔ اس میں ان احادیث کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے جن سے ولایت فقیہ بمعنی حاکمیت فقیہ کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کاوش کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ ان احادیث کی روشنی میں جو ولایت فقیہ ثابت ہوتی ہے وہ اصل میں کیا ہے اور اسے کیسا افسانہ بنا دیا گیا ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ اس حساس موضوع کو ہر قسم کی جذباتی وابستگی سے بالاتر ہو کر خالص علمی انداز میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ علمی اور فکری مسائل پر جذباتی رویہ اپنانا جہالت ہوتا ہے۔ جو قومیں علمی وفکری مسائل پر جذباتی رویے اپناتی ہیں، وہ اپنے اوپر علمی اور فکری ترقی کے راستے بند کر دیتی ہیں اور علمی وفکری ترقی کی دوڑ میں کبھی آگے نہیں بڑھ سکتیں۔

اہم وضاحت:

ولایت فقیہ کے بارے میں گفتگو کرنے سے پہلے کچھ باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ان کا ذکر ہم نے اپنے گزشتہ پمفلٹ میں کیا ہے۔ان کی اہمیت کے پیش نظر تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ یہاں بھی پیش کیا جا رہا ہے کیونکہ اس کے بغیر مسئلہ ولایت فقیہ پر بات تشنہ رہ جائے گی۔

مسئلہ ولایت فقیہ کے دو پہلو ہیں: ایک نظریاتی اور دوسرا عملی۔ جہاں تک نظریاتی پہلو کا تعلق ہے تو اس بات پر شیعہ فقہاء میں ہمیشہ اتفاق پایا گیا ہے کہ فقیہ کو غیر فقیہ پر ولایت حاصل ہے۔لیکن اس بات میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے کہ غیر فقیہ پر فقیہ کی ولایت کی حدود کیا ہیں اور یہ کہ اس ولایت کی رو سے فقیہ کے فرائض و اختیارات کیا ہیں۔اس سلسلے میں تین نظریات پائے جاتے ہیں:

ایک یہ کہ فقیہ کو غیر فقیہ پر فتویٰ کی ولایت حاصل ہے۔اس نظریے کے مطابق ولایت فقیہ یہ ہے کہ غیر فقیہ اپنے دینی معاملات میں فقیہ سے فتویٰ طلب کرے، فقیہ کا فرض ہے کہ وہ فتویٰ دے اور غیر فقیہ کا فرض ہے کہ اس فتویٰ کے مطابق عمل کرے۔اس نقطہ نظر کے مطابق ولایت فقیہ یہی ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔اس نظریہ کے مطابق ہر مرجع تقلید اپنے مقلد کے لیئے ولی فقیہ ہے۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ فقیہ کو اختلافات کا فیصلہ کرنے کی ولایت (ولایتِ قضاء) بھی حاصل ہے۔یعنی اگر لوگوں میں جھگڑے اور اختلافات ہو ں تو ان کا فرض ہے کہ وہ فقیہ کی طرف رجوع کریں اور ان کے اختلاف کا جو فیصلہ فقیہ کر دے دونوں فریق اسے تسلیم کریں۔

تیسرا نظریہ یہ ہے کہ فقیہ کو یہ ولایت حاصل ہے کہ وہ معاشرے میں اسلام کو نافذ کرے۔اس نظریے کے موجد آیت اللہ خمینی تھے۔امام خمینی کے نظریہ ولایت فقیہ کو سادہ الفاظ میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ جامع الشرائط فقیہ کی حاکمیت میں ملکی امور کو فقہ جعفریہ کے مطابق چلانا۔یعنی جامع الشرائط مجتہد کی حاکمیت میں ملک میں فقہ جعفریہ کو نافذ کرنا۔وہ اس سلسلے میں اس قدر آگے چلے گئے تھے کہ ان کی نظر میں ولی فقیہ کو وہی اختیارات حاصل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امام معصوم علیہ السلام کو دے رکھے ہیں۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انقلاب ایران کے بعد جب ولایت فقیہ کے بارے میں گفتگو ہوتی ہے تو اس سے مراد تیسرا نظریہ ہوتا ہے جس کے بانی اور موجد امام خمینی ہیں۔ مرگ برضد ولایت فقیہ (مردہ باد دشمن ولایت فقیہ) کے نعرے میں بھی ولایت فقیہ سے مراد امام خمینی کا نظریہ ولایت فقیہ ہے اور درحقیقت یہ نعرہ ان سب مراجع ومجتہدین اوران کے مقلدین کے خلاف لگایا جاتا ہے جو امام خمینیؒ کے نظریہ ولایت فقیہ کے خلاف ہیں۔ اگر آپ یہ نعرہ لگاتے ہیں تو نعرہ لگانے سے پہلے یہ ضرور معلوم کرلیں کہ آپ کے مرجع تقلید کا نظریہ ولایت فقیہ کیا ہے۔ ایسا نہ ہو آپ انجانے میں اپنے ہی مرجع تقلید کے خلاف مردہ باد کے نعرے لگا رہے ہوں۔

اب دوسرے پہلو، یعنی عملی پہلو کی طرف آتے ہیں۔ جو فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ فقیہ کو غیر فقیہ پر فتویٰ کی حد تک ولایت حاصل ہے، ان کے نظریے کہ مطابق ہر مرجع تقلید اپنے مقلد کا ولی فقیہ ہوتا ہے۔ امام خمینیؒ نے اپنے نظریہ ولایت فقیہ کی بنیاد پر ایران میں تحریک چلائی۔ عوام کی حمایت سے ان کی تحریک کامیاب ہوئی۔ انقلاب کے بعد امام خمینیؒ نے ایران میں ریفرنڈم کرایا اور ایرانی عوام کی بھاری اکثریت نے اس کے حق میں ووٹ دیا۔ اس طرح ایرانی عوام کے ریفرنڈم سے امام خمینیؒ کا نظریہ ولایت فقیہ ایران میں نافذ ہوگیا۔ ظاہری بات ہے کہ اگر ایرانی عوام ریفرنڈم میں اسے مسترد کردیتے تو یہ ایران میں بھی نافذ نہ ہوسکتا۔

ایک اہم اور قابل توجہ نکتہ:

بزرگ فقہاء جیسے شیخ حسن صاحب جواہر الکلام اور بعض دیگر فقہاء نے اپنی کتب میں ولایت فقیہ کے بارے میں بحث کرتے ہوئے اس قسم کے جملے لکھے ہیں کہ: مسئلہ ولایت فقیہ ایک واضح مسئلہ ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس کے لیئے کسی دلیل کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں یہ بات ضرور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایسے جملات میں ولایت فقیہ کے پہلے معنی مراد ہیں جس کی رو سے فقیہ کو غیر فقیہ پر فتویٰ کی ولایت حاصل ہے۔ ظاہری بات ہے کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص دین کا علم نہیں رکھتا اس کا فرض ہے کہ وہ کسی فقیہ کی ولایت اور سرپرستی میں اپنے دینی احکام کے بارے

میں علم وآگہی حاصل کرے تا کہ ان احکام پر عمل کر سکے۔ واضح سی بات ہے کہ اس میں نہ کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش ہے نہ کسی دلیل کی ضرورت ہے۔

لیکن جب ولایت فقیہ بمعنی سیاسی نظام کی بات کرتے ہوئے بعض لوگ فقہائے بزرگ کے ان جملوں کا حوالہ دے رہے ہوتے ہیں تو وہ شدید بددیانتی کا ارتکاب کرر ہے ہوتے ہیں۔ اس لیئے کہ ان فقہاء نے یہ بات ولایت فقیہ بمعنی ولایت فتویٰ کے بارے میں کہی ہے جو ولایت فقیہ بمعنی سیاسی نظام سے بالکل الگ چیز ہے۔

والسلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

ڈاکٹر سید نیاز محمد ہمدانی

24 ذی الحجہ 1436 ہجری۔ 9 اکتوبر 2015۔ لاہور

تمہید

ماہرین عمرانیات نے انسان کی تعریف میں کہا ہے کہ انسان ایک معاشرتی حیوان ہے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے لیکن اس کو زیادہ صحیح الفاظ میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ انسان ایک ولایتی موجود ہے۔ انسان کو معاشرتی حیوان اس لیئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی اکیلے نہیں گزار سکتا۔ وہ اپنی ساری ضروریات اکیلے پوری نہیں کرسکتا۔ ایک انسان کے لیئے ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنی کپاس بھی خود اگائے، اس سے دھاگا بھی خود بنائے، اس دھاگے سے کپڑا بھی خود بنے، اس کپڑے سے لباس بھی خود بنائے۔ چمڑا بھی خود بنائے، جوتے بھی خود بنائے، گارے سے کچی اینٹیں بھی خود بنائے، ان کو آگ میں پکا کر پکی اینٹیں بھی خود بنائے، سیمنٹ بھی خود بنائے، سریا بھی خود بنائے اور پھر گھر بھی خود بنائے۔ لہٰذا لوگوں نے کام تقسیم کر لیئے۔ ہر شخص اپنے حصے کی خدمات معاشرے کو دیتا ہے اور دوسروں کی خدمات حاصل کرتا ہے اور اس طرح ہر انسان کی زندگی کا نظام چلتا ہے۔

انسان کی معاشرت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ ہر انسان اپنے ہم فکر، ہم ذوق، ہم سلیقہ اور ہم عقیدہ افراد کے ساتھ تعلقات قائم کرتا ہے۔ ان کی مدد اور تعاون کرتا ہے اور ان سے مدد اور تعاون حاصل کرتا ہے۔ اسی کا نام ولایت یا تولاّ ہے۔ وہ اپنے عقیدے، نظریے، ذوق اور سلیقے کے مخالف لوگوں سے تعلق قائم نہیں کرتا اور ان سے دور رہتا ہے۔ اسی کو برائت یا تبریٰ کہتے ہیں۔ اچھے اور نیک سیرت انسان اپنے جیسے اچھے اور نیک سیرت افراد کے ساتھ رشتہ ولایت قائم کرتے ہیں جبکہ بدچلن اور بدکردار لوگ اپنے ہی جیسے افراد کے ساتھ رشتہ ولایت میں منسلک ہوجاتے ہیں:

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز　　　کبوتر با کبوتر باز با باز

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ولایت کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے:

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَوْلِیَآءُھُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمَاتِ

ترجمہ: اللہ اہل ایمان کا ولی ہے، وہ انہیں (کفر وشرک، گمراہی وگناہ اور شکوک وشبہات کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان، ہدایت، نیکی وتقویٰ اور علم ویقین کی) روشنی میں لاتا ہے۔ جن لوگوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ان کے ولی طاغوت ہیں جو انہیں روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ (بقرہ:257)

اس آیت کی روشنی میں ولایت کی دو قسمیں ہیں:

1۔ولایت الٰہیہ 2۔ولایت طاغوت۔

ولایت الٰہیہ انسانوں کو کفر وشرک، گناہ وگمراہی اور ظلم وبے انصافی کی تاریکی سے نکال کر ایمان وتوحید، ہدایت واطاعت اور عدل وانصاف کے نور میں لے جاتی ہے۔ جبکہ ولایت طاغوت انسانوں کو نور سے نکال کر تاریکی میں لے جاتی ہے۔

رسولوں کی ولایت بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا:

اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ

ترجمہ: آپ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئیں۔ (ابراہیم:5)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ہوا:

كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (ابراہیم:1)

ترجمہ: اے رسول ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب نازل کی تاکہ آپ لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں، عزیز اور حمید اللہ کے راستے کی طرف۔

آئمہ معصومین علیہم السلام کی ولایت بھی یہی ہے۔ اس لیئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معصوم جانشین اور خلفاء تھے، جو ولایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی وہی ان کی ولایت تھی۔

مومنین کی ولایت:

اس کے بعد مومنین کی ایک دوسرے پر ولایت کا درجہ آتا ہے اور اس ولایت کی روح بھی یہی ہے جسے قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

ترجمہ: مومن مرد اور مومن عورتیں سب ایک دوسرے کے ولی ہیں، وہ ایک دوسرے کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ (توبہ:71)

اگر نیکی کو نور اور برائی کو تاریکی کہا جائے تو مومنین کی ولایت کا نتیجہ اور اثر بھی یہی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لے جاتے ہیں۔ مومنین میں سے جو علم، ایمان اور عمل صالح میں دوسروں سے برتر ہوگا اسے اپنے سے کم تر درجات والوں پر ولایت حاصل ہوگی اور جو اس سے برتر ہے اسے اس پر ولایت حاصل ہوگی۔ گویا یہ آیت مومنین سے یہ کہہ رہی ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنے آپ کو بھی دیکھے، اپنے سے اوپر والوں کو بھی دیکھے اور اپنے سے نیچے والوں کو بھی دیکھے۔ اپنے آپ کو دیکھو کہ ایمان اور عمل صالح کے کس مقام پر کھڑے ہو اور تمہیں مزید ترقی کے لیئے کیا کرنا ہے؟ جو مومن علم، ایمان اور عمل صالح میں تم سے برتر ہیں ان کی پیروی کرو، ان سے مدد اور رہنمائی حاصل کرو اور علم، ایمان اور عمل صالح میں ترقی کرو۔ جو مومن علم، ایمان اور عمل صالح میں تم سے کم تر ہیں ان کی مدد اور رہنمائی کر کے ان کو اعلیٰ درجات کی طرف بڑھنے میں مدد دو۔

ان آیات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ ولایت کا اصل مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں علم، ایمان اور عمل صالح کا نور افقی اور عمودی محوروں پر مسلسل پھیلتا چلا جائے اور اس کے درجات میں شدت پیدا ہوتی جائے۔ دوسرے الفاظ میں اگر آج معاشرے میں یہ نور ایک سو واٹ کے برابر ہے تو کل اس سے زیادہ اور پرسوں اور بھی زیادہ ہونا چاہیے۔

علماء وفقهاء کی ولایت:

علماء وفقہاء کی ولایت بھی درحقیقت یہی ہے۔ ہر عالم اور ہر فقیہ کی یہی اصل ذمہ داری ہے کہ اپنے اپنے معاشرے میں لوگوں کو قرآن وسنت کی

تعلیمات سے آشنا کرے، قرآن وسنت کی روشنی میں ان کی کردار سازی کرے، انہیں جہالت اور بے عملی کی تاریکیوں سے نکال کر علم ومعرفت اور ایمان و عمل صالح کے نور میں لے آئے۔ یہی ولایت فقیہ ہے جو کسی ایک فقیہ یا عالم کی نہیں بلکہ ہر فقیہ اور ہر عالم کی ذمہ داری ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے ایک ارشاد میں معاشرے میں فقیہ کے کردار کو، یا بالفاظ دیگر ولایت فقیہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

الفقیہ کل الفقیہ من لم یقنط الناس من رحمۃ اللہ ولا یومنھم من عذابہ ولا یرخصھم فی معصیتہ

ترجمہ: ایک مکمل اور حقیقی فقیہ وہ ہوتا ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ کرے، انہیں اللہ کے عذاب سے بے خوف نہ کرے اور انہیں اللہ کی نافرمانی کی رخصت فراہم نہ کرے۔ (بحار الانوار جلد 75 صفحہ 74)

اس حدیث میں فقیہ کا اصل فریضہ بہت اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اور یہی اصل اور حقیقی ولایت فقیہ ہے جو کسی ایک فقیہ کی نہیں بلکہ ہر فقیہ کی ذمہ داری ہے۔

اس ولایت کی رو سے سب علماء وفقہاء کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مومنین کے کردار کی تعمیر کریں، ان کی ایسی تربیت کریں کہ وہ زندگی کے جس بھی شعبے میں ہوں، وہاں قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق اپنی ذمہ داری کو احسن طریقے سے انجام دے سکیں۔ اگر کوئی تاجر ہے تو قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق اپنے کام کو انجام دے سکے، سیاست دان ہے تو میدان سیاست میں قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق اپنا کردار ادا کر سکے، صدر مملکت یا وزیر اعظم ہے تو قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق حکومت کا نظام چلا سکے۔ اس ولایت کا سیاست واقتدار سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس ولایت کا اصل کام (Function) معاشرے کے ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد کی ایمانی اور عملی تربیت کرنا ہے۔

معاشرے میں اسلام نافذ کرنے کا صحیح راستہ بھی یہی ہے کہ لوگوں کی قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح تربیت کی جائے تاکہ ہر شخص ہر شعبہ زندگی میں اپنے فرائض قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق انجام دے سکے۔ اگر معاشرے میں عوام کی اسلامی تربیت نہ ہو تو چاہے سارے شعبے مولوی صاحبان اور آیت اللہ صاحبان کو دے دیئے جائیں اس سے اسلام نافذ نہیں ہوگا۔ ہاں اسلام کے نام پر منافقت، ریاکاری، ظلم وستم، شر وفساد اور آمرانہ

حاکمیت کا بازار ضرور گرم ہو جائے گا۔ جس کی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ اگر کوئی شخص آیت اللہ صادق خلخالی اور آیت اللہ منتظری کی یادداشتوں (خاطرات) کا مطالعہ کر لے تو چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں۔

لیکن بدقسمتی سے گزشتہ چند دہائیوں سے ولایت فقیہ کے نام سے ایک فتنہ برپا کر دیا گیا ہے۔ ولایت فقیہ کے نام پر ایک ایسی چیز ایجاد کر ڈالی گئی ہے جس کا قرآن و سنت اور آئمہ معصومین علیہم اسلام کی تعلیمات میں میں دور دور تک کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔ ولایت فقیہ کی یہ تعبیر کہ ایک فقیہ سیاسی حکومت قائم کر لے اور اسے سب علماء و فقہاء پر اور دنیا بھر کے شیعوں پر بے قید و شرط آمرانہ حاکمیت حاصل ہو جائے، شیعہ اجتہاد کی تاریخ کی سب سے بڑی اجتہادی غلطی ہے۔

فقیہ کے معنی:

ولایت فقیہ کی بات کے ضمن میں یہ بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ احادیث نبوی اور احادیث آئمہ معصومین علیہم السلام میں فقیہ کے معنی کیا ہیں اور ہمارے مولوی صاحبان اور مجتہدین حضرات نے اس کے معنی کیا سے کیا بنا دیئے ہیں۔ شیعہ سنی دونوں کی کتب حدیث میں الفاظ کے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ اس حدیث کو بیان کیا گیا ہے:

من حفظ عنا اربعین حدیثا من احادیثنا فی الحلال و الحرام بعثه الله یوم القیامة عالما فقیها ولم یعذبه

ترجمہ: جس شخص نے ہماری احادیث میں سے حلال و حرام کے بارے میں چالیس احادیث کی حفاظت کی قیامت کے دن اللہ اسے ایک فقیہ عالم کے طور پر اٹھائے گا اور اسے عذاب نہیں کرے گا۔ (خصال 542:2)

یہاں یہ بات ضرور پیش نظر رہے کہ احادیث کو حفظ کرنے کا مطلب رٹا لگا کر انہیں زبانی یاد کر لینا نہیں بلکہ ان پر پوری طرح سے عمل کرنا ہے، اس لیئے ہم نے ترجمہ میں حفظ کرنے کی بجائے حفاظت کرنے کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ہماری زبان میں پولیس کے لیئے" قانون کے محافظ" کا لفظ

استعمال ہوتا ہے۔ کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر پولیس والا، حافظ قرآن کی طرح قانون کی کتاب کا حافظ ہوتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خود قانون کا پابند ہوتا ہے اور دوسروں سے بھی قانون کی پابندی کرواتا ہے۔ (کاش عملی طور پر بھی ہماری پولیس ایسی ہی ہوتی)۔ بالکل اسی طرح چالیس احادیث کی حفاظت کرنے کا مطلب بھی یہ ہوگا کہ وہ شخص خود بھی چالیس احادیث پر عمل کرے اور دوسروں کو ان پر عمل کی ترغیب دے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر کوئی شخص چالیس احادیث کو یاد کر لے اور زندگی میں ان پر پوری طرح کاربند رہے، تو وہ دین کی روح سے آشنا بھی ہو جائے گا اور اس سے وابستہ بھی ہو جائے گا۔ اس کا علمی و عملی کردار اتنا اعلیٰ وارفع ہو جائے گا جس کے سامنے بہت سے اصطلاحی فقہاء بونے نظر آئیں گے۔

اس حدیث کی روشنی میں فقیہ ہونے کا علمی راستہ کتنا آسان ہے، اگرچہ عملی راستہ، یعنی چالیس احادیث پر مکمل طور پر کاربند رہنا، بہت مشکل ہے۔ لیکن ملاازم نے فقیہ کے معنی ہی بدل دیئے ہیں۔ ملائیت نے اسے راکٹ سائنس بلکہ اس سے بھی مشکل بنا کر رکھ دیا ہے کہ بڑے بڑے سائنس دان بھی، راکٹ سائنس اور نیوکلیر سائنس کے ماہرین بھی اس خیال باطل کے فسوں میں گرفتار ہیں کہ فقیہ ہونا بہت مشکل کام ہے۔ اب فقیہ صرف وہ ہے جس نے سالہا سال صرف کر کے کچھ علوم پڑھے ہوں اور اجتہاد کا فن سیکھا ہو اور کسی استاد سے اجازہ اجتہاد لیا ہو۔ اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ فقیہ کے معنی احادیث معصومین (علیہم السلام) میں کیا ہیں اور علماء نے اس کے معنی کیا سے کیا کر دیئے ہیں۔

مسئلہ ولایت فقیہ کی حیثیت:

مسئلہ ولایت فقیہ کے دلائل کا جائزہ لینے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کی حیثیت (Status) کو واضح کر دیا جائے۔ دینی اور مذہبی مسائل خواہ ان کا تعلق عقائد اور ایمانیات سے ہو یا فقہی احکام سے، ان کو دو اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے: ضروریات اور نظریات۔ ضروریات سے مراد وہ حقائق ہیں جو دلیل کے ساتھ ثابت ہیں اور اس قدر واضح ہیں کہ ان میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ جیسے توحید، نبوت اور آخرت کا عقیدہ۔ نماز، روزہ، حج، زکات کا واجب ہونا۔ یہ امور سب مسلمانوں کے ہاں مسلمہ حیثیت رکھتے ہیں اور سب مسلمان انہیں اسلام کا ضروری جزو سمجھتے ہیں۔ حتیٰ

کہ مسلمان معاشروں میں یا ان کے قریب رہنے والے غیر مسلم بھی جانتے ہیں کہ یہ چیزیں مسلمانوں کے ہاں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ان کو ضروریات دین کہا جاتا ہے۔ان میں سے کسی کا انکار کرنے والا دین سے خارج تصور کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد کچھ حقائق ایسے ہیں جو مذہب شیعہ میں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں اور اپنی جگہ پر قطعی اور یقینی دلائل سے اس طرح ثابت ہیں کہ ان میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔مثلاً امام کا اللہ کی طرف سے منصوب ہونا، امام کا معصوم ہونا، امام عصر کا وجود، ان کی غیبت، ان کا ظہور، ان کے دست مبارک سے دین اسلام کا پوری دنیا پر غالب آنا، یہ سب امور ضروریاتِ مذہب شیعہ میں سے ہیں۔ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرنے والا شخص مذہب شیعہ اثناعشری سے خارج تصور ہوگا۔لیکن کچھ امور ہیں جن پر اختلاف پایا جاتا ہے جیسے معصومین علیہم السلام کو ولایت تکوینی حاصل ہونا۔ یہ مسئلہ شیعہ مذہب کے ضروریات میں سے نہیں ہے۔ایک نظری مسئلہ ہے، جس کے بارے میں علماء میں اختلاف نظر پایا جاتا ہے۔شیعہ قوم کا کوئی فرد یا کوئی عالم معصومین کی ولایت تکوینی کا قائل ہو یا نہ ہو، شیعہ اثناعشری ہی کہلائے گا۔لیکن اگر امام کے اللہ کی طرف سے منصوب ہونے، امام کے معصوم ہونے، یا امام زمانہ علیہ السلام کے وجود، ان کی غیبت، ان کے ظہور اور ان کے دست مبارک سے پوری دنیا میں اسلام کے غلبہ میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے گا تو شیعہ اثناعشری سے خارج ہو جائے گا۔

اس تصور کے واضح ہو جانے کے بعد دیکھتے ہیں کہ مسئلہ ولایت فقیہ بمعنی حکومتِ فقیہ کا کیا مقام (Status) ہے۔مسئلہ ولایت فقیہ بمعنی حکومتِ فقیہ ضروریات مذہب شیعہ اثناعشری میں سے نہیں ہے۔اگر یہ ضروریات مذہب میں سے ہوتا تو ہمیشہ سے ہر شیعہ اس سے آگاہ ہوتا، اس کا قائل ہوتا اور اسے تسلیم کرتا۔لیکن نہ صرف شیعہ عوام نے، بلکہ مولوی صاحبان کی ایک بڑی تعداد نے، انقلاب ایران سے پہلے ولایت فقیہ کا نام ہی نہیں سنا تھا۔انقلاب ایران کے بعد پہلی بار عوام نے سنا کہ ولایت فقیہ نام کی بھی کوئی چیز ہے۔یہ خود اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ یہ مسئلہ ضروریات دین میں سے نہیں ہے۔

جیسا کہ پہلے ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ علماء اور فقہاء کے درمیان یہ مسئلہ ہمیشہ زیر بحث رہا اور اس مسئلہ پر علماء کے درمیان اختلاف بھی موجود رہا۔ شیعہ علماء اور مجتہدین کی بھاری اکثریت ولایت فقیہ بمعنی حکومتِ فقیہ کی قائل نہیں رہی۔بعض فقہاء ہی اس کے قائل رہے۔انقلاب ایران کے بعد چونکہ

اس نظریہ کو حکومت ایران کی پشت پناہی حاصل ہوگئی لہٰذا اسے قوت حاصل ہوگئی لیکن علمی حلقوں میں اسے علمی لحاظ سے قوت حاصل نہ ہوسکی۔ یہ جاننے کے لیئے کہ علماء و مجتہدین کے حلقوں میں اس مسئلہ پر کیا رائے پائی جاتی ہے چند مثالوں کا ذکر کافی ہے:

شیخ مرتضیٰ انصاری (رح) کا موقف:

شیخ مرتضیٰ انصاری رحمت اللہ علیہ کو شیعہ فقہاء میں بہت برجستہ مقام حاصل ہے۔ وہ اپنی مشہور کتاب المکاسب میں جو حوزہ ہائے علمیہ کے سلیبس کی اجتہادی درسی کتاب ہے، ولایت فقیہ کے حق میں پیش کی جانے والی ان روایات کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

لكن الانصاف - بعد ملاحظة سياقها اوصدرها اوذيلها- يقتضى الجزم بانها فى مقام بيان وظيفتهم من حيث الاحكام الشرعيه، لا كونهم كالنبى والائمة صلوات الله عليهم فى كونهم اولى بالناس فى اموالهم. فلو طلب الفقيه الزكاة والخمس من المكلف فلا دليل على وجوب الدفع اليه.....

وبالجمله اقامة الدليل على وجوب طاعة الفقيه كالامام عليه السلام-الا ما خرج بالدليل-دونه خرط القتاد

ترجمہ: ان احادیث کے سیاق کو یا ان کے ابتداء اور انتہاء کو دیکھ کر اس بات کا یقین حاصل ہوجاتا ہے کہ یہ احکام شرعی کے بیان کے بارے میں ان کی (یعنی فقہاء کی) ذمہ داری کو بیان کر رہی ہیں، نہ کہ اس بات کو کہ وہ نبی اور آئمہ علیہم السلام کی طرح لوگوں کے اموال پر ان سے زیادہ اختیار رکھتے ہیں۔ پس اگر فقیہ کسی سے مطالبہ کرے کہ وہ اپنی زکات یا خمس اسے ادا کرے، تو زکات یا خمس اسے ادا کرنے کے واجب ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ ... مختصر یہ کہ فقیہ کی اطاعت کے امام علیہ السلام کی اطاعت کی طرح واجب ہونے پر دلیل قائم کرنے سے زیادہ آسان کیکر کی ٹہنی کے کانٹوں کو ہاتھوں سے صاف کرنا ہے۔ سوائے ان امور کے جو دلیل کی رو سے خارج ہیں۔ (جلد 3 صفحہ 552)

آیت اللہ سید احمد خوانساری (رح) کا موقف:

آیت اللہ العظمٰی سید احمد خوانساری رحمت اللہ علیہ اپنی کتاب جامع المدارک کی تیسری جلد کے صفحہ 100 پر، ولایت فقیہ کے حق میں پیش کی

جانے والی احادیث (جن کا آگے چل کر ہم تفصیلی جائزہ لیں گے) کی طرف اشارہ کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

واما الاخبار المذکورہ لاثبات الولایۃ العامہ للفقیہ فغیر ظاھرۃ کما لا یخفی

مع انھا من حیث السند غیر نقیۃ ولم یظھر اعتماد الفقھاء بھا ۔

ترجمہ: فقیہ کی ولایت عامہ کو ثابت کرنے کے لیئے مذکورہ احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے لیکن ان سے یہ معنی ظاہر نہیں ہوتے جیسا کہ یہ بات مخفی نہیں ہے۔اس کے ساتھ ساتھ سند کے لحاظ سے بھی یہ احادیث کوئی صاف ستھری احادیث نہیں ہیں اور فقہاء نے ان پر اعتماد ظاہر نہیں کیا ہے۔

آیت اللہ محمد علی اراکی (رح) کا موقف:

آیت اللہ العظمٰی شیخ محمد علی اراکی رحمت اللہ علیہ کا شمار حوزہ علمیہ قم کے بزرگ فقہاء میں ہوتا تھا۔آیت اللہ خمینی کی رحلت کے بعد حوزہ علمیہ کی رہنمائی سے ان کے مقلدین کی ایک بڑی تعداد نے آیت اللہ اراکی کی تقلید کر لی۔وہ مدرسہ فیضیہ میں مغربین کی نماز ان کی امامت میں ادا کی جاتی تھی جو بہت ہی روح پرور کیفیت والی نماز ہوتی تھی۔وہ اپنی کتاب "کتاب البیع" کی دوسری جلد میں مسئلہ ولایت فقیہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ویبقی الکلام فیما ھو المھم فی المقام من ولایت الفقیہ، فنقول: اما الولایۃ بالمعنی الذی ثبت فی النبی والائمۃ علیھم السلام فمن المقطوع عدم ثبوتھا لھم۔ فلیسوا بمفترضی الطاعۃ ونافذی التصرف فی جمعی الامور جزئیۃ و کلیۃ وھذا واضح کما ان من المقطوع ثبوت منصب الافتاء والقضاء لھم ۔ (کتاب البیع 17:2)

ترجمہ: باقی رہا کلام ولایت فقیہ کے بارے میں جو اس مقام پر ایک اہم مسئلہ ہے تو ہم کہتے ہیں: جہاں تک اس ولایت کا تعلق ہے جو نبی اور آئمہ علیہم السلام کے لیئے ثابت ہے، تو یہ بات قطعی ہے کہ یہ ولایت ان کے لیئے (یعنی فقہاء کے لیئے) ثابت نہیں ہے۔ان کی اطاعت فرض نہیں ہے اور نہ ہی جزئی اور کلی امور میں ان کا تصرف نافذ ہے۔یہ بات واضح ہے، جیسا کہ یہ بات قطعی ہے کہ منصب فتوی اور منصب قضاء ان کے لیئے ثابت ہے۔

بحث کے اختتام پر نتیجہ نکالتے ہوئے فرماتے ہیں:

واما الفقیه الجامع للشرائط فلا شبهة فی عدم ثبوت الولایة بمعنی الذی ثبت فی الائمة علیهم السلام من کونهم اولی بالمؤمنین من انفسهم فی حقه ولکن هل هنادلیل یثبت شطرا منها له. اعنی کونه متصرفا فی الامور العامة التی هی من شان الرئیس، فهل هو فی زمان الغیبة جعل نائبا عن الرئیس الاصلی اولا؟ قد یتمسك لذالك بروایات۔ (کتاب البیع 24:2)

ترجمہ: جہاں تک فقیہ جامع الشرائط کا تعلق ہے تو اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ جو ولایت آئمہ علیہم السلام کے لیئے ثابت ہے کہ انہیں مومنین پر ان کی جانوں سے بڑھ کر ولایت حاصل ہے، وہ اس کے لیئے (یعنی فقیہ جامع الشرائط کے لیئے) ثابت نہیں ہے۔ لیکن کیا اس بات پر کوئی دلیل ہے کہ اس ولایت کا کچھ حصہ اس کے لیئے ثابت ہے؟ یعنی اسے ان عمومی معاملات میں تصرف حاصل ہو جو ایک سربراہ کو حاصل ہوتا ہے؟ کیا وہ زمانہ غیبت میں اصلی سربراہ کا نائب بنایا گیا ہے یا نہیں؟ بعض اوقات اس کو ثابت کرنے کے لیئے کچھ روایات کا سہارا لیا جاتا ہے۔

آیت اللہ محمد علی اراکی رحمت اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ جو ولایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کو حاصل ہے، یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ وہ ولایت فقہاء کو حاصل نہیں ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ یہ بات قطعی ہے کہ ولایت فتویٰ اور ولایت قضاء فقہاء کے لیئے ثابت ہے۔ پھر یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ ایک حاکم اور سربراہ کی حیثیت سے جو ولایت معصومین کو حاصل ہے کیا اس کا کچھ حصہ فقیہ جامع الشرائط کے لیئے ثابت ہے؟ اس سوال کے جواب میں وہ فرماتے ہیں کہ اس کو ثابت کرنے کے لیئے بعض اوقات کچھ روایات کا سہارا لیا جاتا ہے۔ عربی گرائمر اور استدلالی فقہی کتابوں کی ٹیکنیکل زبان جاننے والے افراد جانتے ہیں کہ یہ انداز وہاں استعمال کیا جاتا ہے جب کسی نظریہ یا کسی استدلال سے اتفاق نہ ہو۔ آیت اللہ اراکی بھی یہ نہیں فرما رہے کہ کچھ روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے، بلکہ فرما رہا ہے ہیں کہ اسے ثابت کرنے کے لیئے بعض اوقات کچھ روایات کا سہارا لیا جاتا ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کی نظر میں ان روایات سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی ورنہ وہ صاف الفاظ میں فرماتے کہ کچھ روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

☆☆☆

آیت اللہ خوئی (رح) کا موقف:

آیت اللہ العظمٰی سید ابوالقاسم خوئی رحمت اللہ علیہ کی کتب میں ایک کتاب ہے صراط النجات، جو ان کے استفتائات کا مجموعہ ہے اور اس میں آیت اللہ جواد تبریزی کا حاشیہ بھی ہے۔ اس کتاب کی تین جلدیں ہیں۔ پہلی جلد میں پہلا باب اجتہاد وتقلید کے بارے میں ہیں۔ اس میں پہلا سوال اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

هل هناك اجماع من علمائنا المراجع المتقدمين والمتاخرين على ولاية الفقيه ؛وضحوا لنا ليتبين لنامن سماحتكم حقيقة المسئله عند علمائنا الاعلام الذين افتوا بولاية الفقيه في عصر غيبة قائم آل محمد عج الشريف۔

ترجمہ: کیا ہمارے متقدمین اور متاخرین علمائے مراجع کا ولایت فقیہ پر اجماع ہے؟ مہربانی فرما کر ہمارے لیئے وضاحت فرمائیں تا کہ ہمارے لیئے آپ کی طرف سے واضح ہوجائے کہ جن علما نے زمانہ غیبت قائم آل محمد میں ولایت فقیہ کا فتویٰ دیا ہے ان کے ہاں اس مسئلہ کی کیا حقیقت ہے؟

آیت اللہ خوئی کا جواب:

اما الولاية على الامور الحسبية كحفظ اموال الغائب واليتيم اذا لم يكن من يتصدى لحفظها كالولي او نحوه. فهي ثابتة للفقيه الجامع للشرائط وكذا الموقوفات التي ليس لها متولي من قبل الواقف والمرافعات. فان فصل الخصومه فيها بيد الفقيه وامثال ذالك۔ واما الزائد على ذالك فالمشهور بين الفقهاء عدم الثبوت۔ والله العالم

ترجمہ: جہاں تک امور حسبیہ کا تعلق ہے جیسا کہ غائب شخص یا یتیم کے اموال کی حفاظت کا مسئلہ جب کہ کوئی ان کی حفاظت کرنے والا نہ ہو، جیسا کہ ولی یا اس کی مانند، تو یہ ولایت فقیہ جامع الشرائط کے لیئے ثابت ہے، وہ موقوفات جن کا واقف کی طرف سے کوئی متولی نہ ہو ان کا بھی یہی حکم ہے۔ اور جھگڑوں اور اختلافات کا فیصلہ کرنے کی ولایت بھی فقیہ کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن جہاں تک اس سے زائد ولایت کی بات ہے تو فقہاء کے درمیان مشہور یہ ہے کہ یہ ثابت نہیں ہے۔ واللہ العالم

آیت اللہ جواد تبریزی کا موقف:

اسی سوال پر آیت اللہ جواد تبریزی کا جواب:

ذھب بعض فقھائنا الی ان الفقیہ العادل الجامع للشرائط نائب من قبل الامام علیہ السلام فی حال الغیبۃ فی جمیع ما للنیابۃ فیہ مدخل، والذی نقول بہ ھو ان الولایۃ علی الامور الحسبیہ بنطاقھا الواسع وھی کل ما علم ان الشارع یطلبہ ولم یعین لہ مکلفا خاصا، ومنھا بل اھمھا ادارۃ نظام البلاد وتھیۃ المعدات والاستعدادات للدفاع عنھا، فانھا ثابتۃ للفقیہ الجامع للشرائط، یرجع فی تفصیلہ الیٰ کتابنا "ارشاد الطالب" و کذا للفققیہ القضاء فی المرافعات وفصل الخصومات۔ واللہ العالم

ترجمہ: ہمارے کچھ فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ جامع الشرائط عادل فقیہ زمانہ غیبت میں ان سب چیزوں میں نائب امام ہے جن میں نیابت کا دخل ہے۔ اور ہم اس بات کے قائل ہیں کہ امور حسبیہ کی ولایت اپنے وسیع مفہوم میں ان سب چیزوں کو شامل ہے جن کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ شارع کی طرف سے مطلوب ہیں اور ان کو انجام دینے کے لیئے کسی خاص مکلف کو معین نہیں کیا گیا ہے، اور ان میں سے بلکہ ان میں سے سب سے اہم نظام مملکت کا چلانا اور اور اس کے دفاع کے لیئے وسائل مہیا کرنا ہے، پس یہ جامع الشرائط فقیہ کے لیئے ثابت ہے۔ اس کی تفصیل کے لیئے ہماری کتاب ارشاد الطالب کی طرف رجوع فرمائیں۔ اسی طرح جھگڑوں اور اختلافات میں فیصلہ کرنے کا اختیار بھی فقیہ کو حاصل ہے۔ واللہ العالم

مومنین کرام توجہ فرمائیں کہ آیت اللہ خوئی فرما رہے ہیں کہ فقہاء میں مشہور یہ ہے کہ ولایت فقیہ ثابت نہیں ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ زیادہ تر فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ یہ ولایت فقیہ کے لیئے ثابت نہیں ہے، جبکہ آیت اللہ جواد تبریزی فرما رہے ہیں کہ کچھ فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ فقہاء کو یہ ولایت حاصل ہے۔ اس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ شیعہ فقہاء میں مشہور نظریہ (Popular View) یہ ہے کہ ولایت فقیہ بمعنی حاکمیت فقیہ ثابت نہیں ہے جبکہ بعض فقہا اس بات کے قائل ہیں کہ یہ ولایت ثابت ہے۔

آگے چل کر سوال نمبر 6 میں یہ مسئلہ اور اس کا جواب اس طرح بیان ہوا ہے، جس سے بات اور بھی کھل کر واضح ہو جاتی ہے:

هل ترى سماحتكم ولاية الفقيه المطلقه ام لا ؟

الخوئی: فی ثبوت الولاية المطلقة للفقيه الجامع للشرائط خلاف ومعظم فقهاء الاماميه يقولون بعدم ثبوتها وانما ثبتت فی الامور الحسبية فقط۔ والله العالم

ترجمہ: سوال: کیا آپ فقیہ کے لیئے ولایت مطلقہ کے قائل ہیں؟

جواب: فقیہ جامع الشرائط کی ولایت مطلقہ کے ثبوت میں اختلاف ہے اور زیادہ تر فقہائے امامیہ اس بات کے قائل ہیں کہ یہ ثابت نہیں ہے، اور یہ کہ یہ صرف امور حسبیہ میں ثابت ہے۔ واللہ العالم

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ ولایت فقیہ بمعنی حکومت فقیہ، نہ تو شیعہ مذہبی کے اساسی مسائل میں سے ہے اور نہ ہی اس کا شمار ضروریات مذہب میں ہوتا ہے۔ یہ ایک اجتہادی نظریہ ہے، زیادہ تر شیعہ فقہاء اس کے قائل نہیں ہیں، صرف بعض شیعہ فقہاء اس نظریہ کے قائل ہیں۔ اسے شیعہ مذہب کا اساسی اور مسلمہ مسئلہ بنا کر پیش کرنا بالکل غلط ہے اور ایسا کرنے والے دروغگوئی اور خیانت کا ارتکاب کرتے ہیں۔

آیت اللہ ڈاکٹر محمد صادقی تہرانی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف:

استاد محترم آیت اللہ العظمٰی ڈاکٹر محمد صادقی تہرانی رحمت اللہ علیہ کا اس مسئلہ پر موقف بالکل مختلف اور منفرد ہے۔ اس موضوع پر ان کا ایک رسالہ موجود ہے جس کا عنوان ہے: ''**حکومت صالحان یا ولایت فقیهان**''۔ ان کے موقف پر گفتگو کرنے سے پہلے اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ آیت اللہ صادقی تہرانی رحمت اللہ علیہ انقلاب اسلامی کی تحریک میں آیت اللہ خمینیؒ کے قریبی اور فعال ترین ساتھیوں میں سے تھے۔ وہ آیت اللہ خمینیؒ سے پہلے جلاوطن ہوئے اور ان کے بعد ایران واپس آئے۔ انقلاب کی کامیابی کے بعد اقتدار کے بھوکے افراد کے رویوں سے دل برداشتہ ہو کر، عملی

سیاست سے علیحدگی اختیار کر لی اور حوزہ علمیہ قم میں منتقل ہو گئے اور اپنی ساری توجہ اور توانائی درس تفسیر قرآن پر مرکوز کر دی۔ عملی سیاست سے اپنے استعفیٰ کا ذکر وہ اپنی کتاب ''**حکومت صالحان یا ولایت فقیہان**'' میں اس طرح کرتے ہیں:

دریکی از روزهای دوماهه اول بعد از پیروزی انقلاب، همانند روزهای قبل، بمدرسه علوی رفتم۔ وقتی به نزدیکی دفتر کمیته پاسخگوئی به پرسشها و رفع مشکلات، جنب دفتر مرحوم امام رسیدم متوجه شدم درب دفتر بسته است ویکی از ارباب رجوع که پیر مردی بود آنجا ایستاده و اشك میریزد۔ گفتم: چرا گریه میکنی؟ وی گفت: باہمان کارت ملاقات که شما داده بودید به اینجا مراجعه کردم که به حضور شما برسم تا برای رفع مشکلم نامه ای بنویسید۔ ناگهان دیدم: فضل الله محلاتی (یکی از نمایندگان اقتدار گرایان) آمد و گفت: برای چه آمدی؟ وقتی توضیح دادم عصبانی شد و گفت کارت را بده، سپس کارت را از من گرفت و فوراً پاره کرد۔

اینجانب که از چنین برخورد سخیفی با یك مومن حاجتمند متاسف شده بودم لحظه ای درنگ در مدرسه علوی را جائز ندانسته و فقط قضیه را باطلاع امام رساندم که ایشان متاسفانه فقط ابراز تاسف نمود۔ سپس گفتم: ما برای خدمت آمده بودیم ولی تشنگان قدرت نمی گزارند۔ خدا حافظ

ترجمہ: انقلاب کے بعد پہلے دو ماہ کے دوران ایک دن معمول کے مطابق مدرسہ علوی میں گیا۔ جب لوگوں کے سوالات اور ان کی مشکلات کو حل کرنے والی کمیٹی کے دفتر کے نزدیک پہنچا جو مرحوم امام خمینی کے دفتر کے پہلو میں تھا، میں نے دیکھا دفتر کا دروازہ بند ہے اور بوڑھا شخص جو کسی کام کے سلسلہ میں آیا ہوا تھا رو رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: آپ کیوں رو رہے ہیں؟ اس نے کہا: جو وزٹنگ کارڈ آپ نے مجھے دیا تھا وہ لے کر یہاں آیا تا کہ آپ میری مشکل کے حل کے لیئے مجھے لیٹر (Letter) لکھ دیں۔ اچانک میں نے دیکھا کہ فضل اللہ محلاتی (اقتدار پرستوں کا ایک نمائندہ) آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ کیوں آئے ہو؟ جب میں نے اسے بتایا تو وہ غصے میں آ گیا اور بولا کارڈ مجھے دو۔ پھر اس نے کارڈ مجھ سے لیا اور فوراً پھاڑ دیا۔

ایک حاجتمند مومن کے ساتھ اس گھٹیا سلوک کی وجہ سے مجھے بہت افسوس ہوا اور میں نے مدرسہ علوی میں ایک لحظہ رکنے کو بھی جائز نہ سمجھا اور اس واقعہ کی اطلاع امام خمینیؒ کو دی۔ انہوں نے بھی افسوس کا اظہار کیا۔ پھر میں نے کہا: ہم خدمت کے لیئے آئے تھے لیکن اقتدار پرست نہیں کرنے دے رہے۔ خدا حافظ۔

(**نوٹ:** اقتدار پرست (اقتدار گرایان) کا لفظ استاد محترم ان عناصر کے لیئے استعمال کرتے تھے جو انقلاب اور عوام کی خدمت کرنے کی بجائے عہدوں اور اختیارات کے مزے لینا چاہتے تھے۔)

استاد محترم اس قسم کے واقعات پر بہت کڑھتے تھے لیکن کبھی انقلاب اور نظام کی مخالفت نہیں کرتے تھے، بلکہ ہمیشہ کہتے تھے کہ انشاءاللہ وقت گزرنے کے ساتھ سب ٹھیک ہوجائے گا۔ حکومت کی شرعی حیثیت کے حوالے سے کبھی بات ہوتی تھی تو فرماتے تھے کہ شرعی حیثیت سے قطع نظر آپ یہ دیکھیں کہ اگر ہمارے پاس دوراستے ہوں کہ ملک پر رضا شاہ پہلوی کی حکومت ہو یا امام خمینی کی تو واضح سی بات ہے کہ عقل کا فیصلہ یہی ہوگا کہ امام خمینی کی حکومت شاہ کی حکومت سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

اپنی کتاب ''**حکومت صالحان یا ولایت فقیہان**'' میں وہ اپنا سیاسی نظریہ قرآن مجید کی ان دو آیات کی بنیاد پر کھڑا کرتے ہیں:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (انبیاء:105)

ترجمہ: اور ہم نے ذکر (یعنی تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا کہ زمین کے وارث ہمارے صالح بندے ہوں گے۔

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ (شوریٰ:38)

ترجمہ: اور وہ جنہوں نے اپنے رب کے حکم پر لبیک کہا اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے سب معاملات باہمی مشورے سے ہوتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے انفاق کرتے ہیں۔

ان دو آیات میں سے پہلی آیت میں بتایا جارہا ہے کہ زمین کے وارث اللہ کے صالح بندے ہوں گے۔ آیت اللہ صادقی تہرانی رحمت اللہ علیہ

نے اپنی کتاب کا نام **حکومت صالحان** ۔۔۔ اسی آیت سے لیا۔ دوسری آیت میں یہ بتایا جارہا ہے کہ اللہ کے صالح بندے اپنے اجتماعی معاملات باہمی مشورے سے چلاتے ہیں۔ ان دو آیات کی روشنی میں آیت اللہ ڈاکٹر محمد صادقی تہرانی رحمت اللہ علیہ کا سیاسی فلسفہ یہ ہے:

1۔ مسلمان معاشرے پر باتقویٰ اور صالح فقہاء کی مجلس شوریٰ کی حکومت ہونی چاہیے۔ بہت سے فقہاء میں سے صرف ایک فقیہ کی لامحدود اختیارات کے ساتھ حکومت کا تصور اس آیت کے خلاف ہے۔

2۔ اس مجلس شوریٰ کی ولایت معصومین علیہم السلام کی ولایت کی طرح ولایت مطلقہ نہیں ہوگی، اس لیئے کہ معصومین علیہم السلام کی ولایت عصمت کی بنیاد پر ہے جو کسی صورت میں غیر معصوم کو حاصل نہیں ہوسکتی۔

بہت سے مجتہدین کی موجودگی میں، ایک مجتہد کو ولی فقیہ کے منصب پر فائز کر کے اس کے لیئے ولایت مطلقہ کے بے قید و شرط اختیارات اس کے حوالے کر دینا واضح طور پر ان دو آیات کے خلاف ہے۔ تفصیل جاننے کے خواہشمند حضرات ان کی کتاب ''**حکومت صالحان یا ولایت فقیہان**'' کا مطالعہ فرمائیں۔

علامہ سید محمد حسین طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف:

علامہ سید محمد حسین طباطبائی (رحمت اللہ علیہ) اپنی کتاب تفسیر المیزان کی جلد 4 صفحہ 124 پر اسلامی معاشرے کی حکومت کے حوالے سے بحث کا نتیجہ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

ولکن علیٰ ای حال امر الحکومة الاسلامیه بعد النبی صلی الله علیه وآله وسلم و بعد غیبة الامام کما فی زماننا الحاضر الی المسلمین من غیر اشکال، والذی یمکن ان یستفاد من الکتاب فی ذالك ان علیهم تعیین الحاکم فی المجتمع علی سیرة رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم وهی سنة الامامة دون الملوکیة والامپراطوریه والسیر فیهم بحفاظة الاحکام من غیر تغیر والتولی بالشور فی غیر الاحکام من الحوادث الوقت۔

ترجمہ: لیکن بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اور غیبت امام کے بعد جیسا کہ موجودہ زمانے میں، اسلامی حکومت کی تشکیل کا معاملہ مسلمانوں کے سپرد ہے، اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اور جو بات اللہ کی کتاب سے سمجھی جا سکتی ہے وہ یہ کہ **ان پر فرض ہے کہ معاشرے کے حاکم کا تقرر کریں** جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو سامنے رکھ کر حکومت کرے جو کہ آئمہ کا طریقہ کار تھا، نہ کہ بادشاہی کے طور طریقوں کے مطابق اور یہ کہ وہ مسلمانوں میں احکام شرعی کی حفاظت کرے اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کرے اور احکام کے علاوہ دوسرے معاملات میں باہمی مشورے کے ساتھ عمل کرے۔

علامہ طباطبائی رحمت اللہ علیہ واضح الفاظ میں فرما رہے ہیں کہ زمانہ غیبت میں حکمران کا تقرر مسلمانوں کے ذمہ ہے، اس بات کا واضح مطلب یہ ہے کہ آئمہ نے فقہاء کو حکومت کا منصب نہیں دیا ہے، ورنہ یہ بات کہنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں بنتی کہ ''اسلامی حکومت کی تشکیل کا معاملہ مسلمانوں کے سپرد ہے۔'' اور یہ کہ **ان پر فرض ہے کہ معاشرے کے حاکم کا تقرر کریں**۔

ان برجستہ علماء کی آراء اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ مسئلہ ولایت ان مسائل میں سے ایک ہے جن میں شیعہ علماء اور مجتہدین کے درمیان اختلاف موجود ہے اور فقہاء کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ ولایت فقیہ بمعنی حکومت فقیہ کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔

برادران اہل سنت کے استدلالات:

اس سے پہلے کہ ولایت فقیہ کے دلائل کا جائزہ لیا جائے ایک نکتہ کی طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ پاکستان میں ہم اہل سنت بھائیوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ عقائد اور فقہی اختلافات پر بحث وگفتگو اور تحریر وتقریر کے ذریعے مناظرے بھی ہوتے رہتے ہیں۔ وہ بھی اپنے عقائد اور نظریات پر قرآن وحدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ اور بات کہ ان کے دلائل سے ہم اتفاق نہیں کرتے۔ مثلاً وہ آیت استخلاف (سورہ نور آیت 55) سے خلفائے ثلاثہ کی خلافت پر استدلال کرتے ہیں۔ آیت وضو سے وضو میں پاؤں کے دھونے پر استدلال کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے

نزدیک ان کا استدلال کمزوراورنا قابل قبول ہے۔لیکن یقین کیجیے کہ ولایت فقیہ بمعنی حکومت فقیہ کے قائلین جن دلائل سے ولایت فقیہ پر استدلال کرتے ہیں وہ برادران اہل سنت کے ان دلائل سے بھی زیادہ کمزور ہیں جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔

اب ان احادیث کا مختصر جائزہ لیتے ہیں جن سے ولایت فقیہ بمعنی حکومتِ فقیہ کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آیت اللہ شیخ انصاری، آیت اللہ سید احمد خوانساری، آیت اللہ اراکی اور آیت اللہ خوئی رحمت اللہ علیہم نے فرمایا کہ ان سے ولایت فقیہ بمعنی حکومتِ فقیہ ثابت نہیں ہوتی اور بقول شیخ مرتضیٰ انصاری ان احادیث سے ولایت فقیہ بمعنی حکومت فقیہ کو ثابت کرنا اتنا مشکل ہے کہ کیکر کے درخت کی خاردار ٹہنی کے کانٹوں کو ہاتھوں سے صاف کرنا اس کی نسبت آسان تر ہے۔

پہلی دلیل: مقبولہ عمرابن حنظلہ:

قائلین ولایت فقیہ کے پاس اپنے نظریے کی تائید میں سب سے بڑی اور سب سے مضبوط دلیل ایک حدیث ہے جو علماء میں مقبولہ عمر ابن حنظلہ کے نام سے جانی جاتی ہے۔

محمد ابن یحی عن محمد ابن حسین عن محمد ابن عیسی عن صفوان بن یحی عن دائود ابن الحصین عن عمر ابن حنظلہ قال:سالت عن ابی عب اللہ علیہ السلام عن رجلین من اصحابنابینہما منازعة فی دین اومیراث، فتحا کما الی سلطان بالقضاۃ ۔ایحل ذالك۔ قال: ،من تحا کم الیہم فی حق اوباطل فانما تحا کم الی الطاغوت، فما یحکم لہ فانما یاخذ سحتا، وان کان حقا ثابتا ۔لانہ اخذہ بحکم الطاغوت وقد امر اللہ بان یکفروا بہ قال اللہ تعالیٰ :یُرِیْدُ وْنَ اَنْ یَتَحَا کَمُوْ ااِلیٰ الطَّا غُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ یَکْفُرُوْا بِہٖ ۔(نساء:60)

قلت کیف یصنعان؟ قال ینظران الی من کان منکم ممن قد روی حدیثنا،و نظر فی حلالنا و حرامناوعرف احکامنا،فلیرضوا بہ حکمافانی قد جعلتہ علیکم حا کما، فاذا حکم بحکمنافلم یقبلہ منہ فانما استخف بحکم

الله،وعلینا رد،والراد علینا الراد علی الله وهو علی حد الشرك بالله۔ قلت ان كان كل رجل اختاررجلا من اصحابنافرضیا ان یكونا الناظرین فی حقهما واختلفا فیما حكما وكلاهما اختلفا فی حدیثكم؟

قال:الحكم ما حكم به اعدلهما و افقههما و اصدقهما فی الحدیث و اورعهما ولا یلتفت الی مایحكم به الآخر۔قال قلت:انهما عدلان مرضیان عند اصحابنالا یفضل واحد منهما علی الآخر؟ قال فقال ینظر الیٰ ما كان من روایتهم عنا فی ذالك الذی حكما به المجمع علیه من اصحابك فیوخذ به من حكمنا ویترك الشاذ الذی لیس بمشهور عنداصحابك ۔فان المجمع علیه لا ریب فیه۔وانما الامور ثلاثة:امر بین رشده فیتبع،و امر بین غیه فیجتنب و امر مشكل یردعلمه الی الله والی رسوله۔ قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم : حلال بین و حرام بین وشبهات بین ذالك۔فمن ترك الشبهات نجا من المحرمات ومن اخذبالشبهات ارتكب المحرمات وهلك مین حیث لا یعلم۔

قلت فان كان الخبران عنكما مشهورین قدرواهما الثقات عنكم؟قال ینظر فما وافق حكمه حكم الكتاب والسنه وخالف العامه فیوخذبه و یترك ما خالف حكمه حكم الكتاب والسنه و وافق العامه ۔قلت جعلت فداك ارایت ان كان الفقیهان عرفاحكمه من الكتاب والسنة ووجدنا احد الخبرین موافقا للعامه والآخر مخالفا لهم بای الخبرین یو خذ؟قال فما خالف العامه ففیه الرشاد۔ فقلت جعلت فداك فان وافقهما الخبران جمیعا ؟ قال ینظر الی ما هم الیه امیل حكامهم و قضاتهم فیترك ویوخذ بالآخر ۔قلت فان وافق حكامهم الخبرین جمیعا؟قال اذا كان ذالك فارجه حتی تلقی امامك فان الوقوف عندالشبهات خیر من الاقتحام فی الهلكات۔

(کافی جلد 1، باب اختلاف الحدیث، حدیث 10)

ترجمہ: محمد بن یحییٰ، محمد بن حسین سے، وہ محمد بن عیسیٰ سے، وہ صفوان بن یحییٰ سے، وہ داوٴد بن حصین سے، وہ عمر بن حنظلہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں

نے کہا کہ میں نے ابی عبداللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام سے اپنے دو اصحاب کے بارے میں پوچھا، جن کا قرض یا میراث کے معاملے میں آپس میں جھگڑا تھا اور وہ اپنے فیصلے کے لیئے سلطان اور قاضیوں کے پاس چلے گئے۔ کیا یہ حلال ہے؟ آپ نے فرمایا: جو کسی حق یا باطل (یعنی جائز یا ناجائز) معاملہ میں فیصلے کے لیئے ان کے پاس جاتا ہے تو وہ طاغوت (یعنی اللہ کے خلاف سرکشی کرنے والے) سے فیصلہ کرواتا ہے، اور وہ جس کے حق میں فیصلہ کردے تو وہ جو کچھ لیتا ہے وہ حرام ہوتا ہے چاہے اس کا ثابت شدہ حق ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیئے کہ اس نے طاغوت کے حکم اور فیصلے سے لیا ہے جبکہ اللہ کا حکم ہے کہ طاغوت کا انکار کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ

''یہ چاہتے ہیں کہ فیصلے کے لیئے طاغوت کے پاس جائیں حالانکہ انہیں اس کا انکار کرنے کا حکم دیا گیا ہے''۔ (نساء 60)

عمر ابن حنظلہ کہتے ہیں: میں نے پوچھا کہ پھر وہ کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: وہ دونوں تم میں سے کسی ایسے شخص کو دیکھیں جس نے ہماری احادیث روایت کی ہوں، ہمارے حلال وحرام میں نظر رکھتا ہو، ہمارے احکام کی معرفت رکھتا ہو تو دونوں اسے ثالث بنانے پر راضی ہو جائیں، بے شک میں نے اسے تم پر حاکم بنایا ہے۔ پھر جب وہ ہمارے حکم کے مطابق فیصلہ کردے اور وہ اس کے فیصلے کو قبول نہ کرے تو اس نے اللہ کے حکم کو خفیف جانا اور ہمارے حکم کو رد کیا، اور ہمارے حکم کو رد کرنے والا اللہ کے حکم کو رد کرتا ہے اور اللہ کے ساتھ شرک کی حد تک جا پہنچتا ہے۔

میں نے کہا: اگر وہ دونوں الگ الگ شخص کو چن لیں کہ وہ ان کے حق میں نظر کریں پھر وہ دونوں اپنے فیصلے اور آپ کی حدیث میں اختلاف کریں تو؟ آپ نے فرمایا فیصلہ اس کا فیصلہ ہوگا جو ان دونوں میں سے زیادہ عادل، زیادہ فقیہ، زیادہ سچا اور زیادہ پرہیزگار ہوگا۔ اور دوسرے کے فیصلے کی طرف کوئی توجہ نہ کی جائے گی۔ میں نے کہا کہ وہ دونوں عادل ہیں اور ہمارے اصحاب میں پسندیدہ ہیں، ان دونوں میں سے کسی کو دوسرے پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: پھر یہ دیکھو کہ جن روایات کی بنیاد پر انہوں نے فیصلہ کیا ہے ان میں سے کس کی روایت پر تمہارے اصحاب کا اجماع ہے۔ اسے لے لو اور جو شاذ ہے اور تمہارے اصحاب میں مشہور نہیں ہے اسے چھوڑ دو۔ جس پر اجماع ہے اس کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور

معاملات کی تین ہی قسمیں ہوا کرتی ہیں: ایک وہ جس کا ہدایت ہونا واضح ہو، تو اس کی اتباع کرنا ضروری ہے۔ ایک وہ جس کا گمراہی ہونا واضح ہے، تو اس سے اجتناب ضروری ہے اور ایک وہ جس کا ہدایت یا گمراہی ہونا واضح نہ ہو، تو اس کا علم اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک حلال ہوتا ہے جو بالکل واضح ہوتا ہے، ایک حرام ہوتا ہے جو بالکل واضح ہوتا ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ معاملات ہوتے ہیں۔ پس جو شخص شبہات کو ترک کردے وہ حرام سے بچ جاتا ہے اور جو شبہات کو پکڑ لیتا ہے وہ حرام کا مرتکب ہو کر رہتا ہے اور اس طرح ہلاک ہو جاتا ہے کہ اسے علم بھی نہیں ہوتا۔

میں نے عرض کیا کہ دونوں روایتیں جو آپ کی طرف سے روایت ہوئی ہیں وہ مشہور ہیں جنہیں ثقہ (یعنی قابل اعتماد) راویوں نے آپ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اس صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ جس کی روایت کتاب وسنت کے مطابق اور عامہ (یعنی عام مسلمانوں) کے خلاف ہو اس کے فیصلے کو لے لیا جائے گا اور جس کی روایت کتاب وسنت کے خلاف اور عامہ کے مطابق ہو اسے ترک کر دیا جائے گا۔ میں نے کہا: میں آپ پر فدا ہو جاؤں: اگر ان دونوں فقہاء نے اس مسئلہ کا حکم کتاب وسنت سے معلوم کیا ہو اور ہم ان دونوں احادیث میں سے ایک کو عامہ کے موافق اور ایک کو ان کے مخالف پائیں تو ان دونوں میں سے کس کو لیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: جو عامہ کے خلاف ہے اس میں ہدایت ہے۔ میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان ہو جاؤں اگر دونوں احادیث ان کے موافق ہوں تو؟ آپ نے فرمایا: پھر یہ دیکھو کہ ان کے حکام اور قاضی ان دونوں میں سے کس کی طرف زیادہ مائل ہیں، اسے چھوڑ دیا جائے اور دوسری کو لے لیا جائے۔ میں نے کہا: اگر ان کے حکام اور قاضی صاحبان کا جھکاؤ دونوں کی طرف یکساں ہو تو؟ آپ نے فرمایا جب ایسا ہو تو پھر انتظار کرو، یہاں تک کہ تم اپنے امام سے ملاقات کرو۔ اس لیئے کہ شبہات میں توقف کرنا ہلاکت میں کود جانے سے بہتر ہے۔

قارئین محترم! یہ ہے مقبولہ عمر ابن حنظلہ، جسے ولایت فقیہ کی سب سے مضبوط دلیل قرار دیا جاتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں اس سے کونسی اور کتنی سی ولایت فقیہ ثابت ہوتی ہے۔

☆ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہ حدیث یہ بتاتی ہے کہ اس کا تعلق ایک ایسے مسئلہ سے ہے جس میں دو افراد کا قرض یا میراث کے معاملے میں

کوئی باہمی جھگڑا ہے۔ وہ خود کسی سمجھوتے اور موافقت پر نہیں پہنچ سکتے تو حکومت کے قاضی کے پاس چلے جاتے ہیں۔ ظاہر سی بات ہے لوگ اپنے جھگڑوں اور اختلافات کے حل کے لیئے، حکمران کے پاس نہیں بلکہ قاضی کے پاس جاتے ہیں۔ آج کل کی اصطلاح میں بات کریں تو لوگ اختلافات اور جھگڑے نمٹانے کے لیئے جج کی عدالت میں جاتے ہیں، صدر یا وزیر اعظم کے پاس نہیں جاتے کہ جناب میرا فلاں سے قرض یا میراث کے معاملے میں اختلاف اور جھگڑا ہے، آپ ہمارے جھگڑے کا فیصلہ کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے فقہاء نے فقہی کتابوں میں اس حدیث کو ابواب قضا میں جگہ دی ہے اور اسی وجہ سے فقہاء کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ اس حدیث اور اس جیسی دیگر احادیث سے فقیہ کو اختلافات کا فیصلہ کرنے کی ولایت (یعنی ولایت قضاء) بھی حاصل ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام عمر ابن حنظلہ سے فرماتے ہیں کہ حکومت کے مقرر کردہ قاضی سے فیصلہ کرانا جائز نہیں ہے اس لیئے کہ یہ طاغوت ہیں اور طاغوت کا انکار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی ان کی عدالتوں میں یعنی طاغوت کی عدالتوں میں جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کا انکار کرنے کی بجائے انہیں تسلیم کر رہا ہے۔

☆☆☆

جواز حاکمیت کا مسئلہ:

بات آگے بڑھانے سے پہلے جواز حاکمیت یعنی (Legitimacy) کے مسئلہ پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ حکومت انسانی معاشرے کے لیئے بہت اہم ہے۔ حکومت کے بغیر کوئی معاشرہ قائم نہیں رہ سکتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ حاکم کون ہو؟ ایک سادہ اور معصومانہ سا جواب یہ ہے کہ ظاہر سی بات ہے کہ انسانی معاشرے کا حاکم کوئی انسان ہی ہوگا۔ کوئی جن یا فرشتہ تو آ کر حکومت کرنے سے رہا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ کون سا انسان ہے جسے معاشرے پر حکومت کرنے کا حق اور اختیار حاصل ہے۔ اس بارے میں واضح طور پر ایک بات تو یہ کہی جا سکتی ہے کہ

معاشرے کا حکمران وہ ہوگا جسے اللہ حکمران مقرر کرے۔ اگر معاشرے میں کوئی ایسا انسان موجود ہو جسے اللہ نے انسانوں کا حکمران مقرر کیا ہو تو اس کی موجودگی میں کسی اور کو حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اللہ کے مقرر کردہ حاکم کی موجودگی میں جو حاکم بن بیٹھے گا وہ طاغوت ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے بعد آئمہ معصومین علیہم السلام ایسی ہی شخصیات تھیں جنہیں اللہ نے امام اور حاکم مقرر کیا تھا۔ اگر امام معصوم علیہ السلام معاشرے میں ظاہری طور پر موجود ہوں، اور کوئی ان کی مرضی اور منظوری کے بغیر حاکم بن بیٹھے تو یقیناً وہ غاصب اور طاغوت ہوگا۔ ان کی بنائی ہوئی عدالتیں بھی طاغوت کی عدالتیں ہوں گی اور ان کی طرف رجوع کرنا حرام ہوگا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ جب امام معصوم معاشرے میں موجود نہ ہوں تو اس صورت میں معاشرے میں حکومت کا حق کس کو حاصل ہوگا۔ ظاہر سی بات ہے ایسی صورت میں حق حاکمیت اسے حاصل ہوگا جسے عوام اپنے اوپر حکومت کرنے کا حق دیں۔ ایران میں آیت اللہ خمینی اور ان کے ہم فکر افراد صرف اسی وجہ سے حکومت بنا سکے کہ ایرانی عوام نے انہیں حکومت کرنے کا حق دیا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مجھ پر حکومت کرنے کا اختیار اللہ کے مقرر کردہ حاکم کو ہے۔ اگر اللہ کا مقرر کردہ حاکم پردہ غیبت میں ہو تو پھر مجھ پر حکومت کرنے کا حق اسے حاصل ہوگا جسے میں یہ حق دوں۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ میری مرضی کے بغیر مجھ پر حکومت کرے۔ علامہ سید محمد حسین طباطبائی صاحب تفسیر المیزان کا نظریہ صفحہ 26 پر بیان کر آئے ہیں کہ زمانہ غیبت میں ''اسلامی حکومت کی تشکیل کا معاملہ مسلمانوں کے سپرد ہے۔'' اور **ان پر فرض ہے کہ معاشرے کے حاکم کا تقرر کریں۔**

ہمارے زمانے میں امام معصوم پردہ غیبت میں ہیں۔ ان کی طرف سے مقرر کردہ کوئی حاکم بھی موجود نہیں ہے۔ امام زمانہ علیہ السلام نے غیبت صغریٰ کے دور میں ایک دوسرے کے بعد چار نائب مقرر کیئے تھے۔ ان کی نیابت بھی یہ تھی کہ کہ لوگوں اور امام کے درمیان واسطے کا کام کرتے تھے۔ چوتھے نائب علی بن محمد سمری کی وفات سے چھ دن پہلے امام علیہ السلام نے انہیں بتا دیا تھا کہ چھ دن بعد تمہاری وفات ہو جائے گی اور تم کسی کو نائب مقرر نہ کرنا کیوں کہ میری غیبت کبریٰ شروع ہو جائے گی۔ چوتھے نائب کی وفات 15 شعبان 329 ہجری میں ہوئی۔ اس تاریخ سے اب تک کوئی نائب امام یا نمائندہ امام نہیں ہے۔ اگر کوئی اس بات کا مدعی ہو کہ وہ امام زمانہ علیہ السلام کا نائب یا نمائندہ ہے تو بلا شک وشبہ وہ جھوٹا اور کذاب ہے۔ اگر کوئی شخص خود تو

ایسا دعویٰ نہ کرے لیکن اس کے عقیدتمند اور ارادتمند ایسی باتیں کریں اور وہ باتیں اس کے علم میں بھی آجائیں اور وہ ان کی تردید کر سکنے کے باوجود ان کی تردید نہ کرے تو بھی وہ جھوٹا اور کذاب ہوگا۔

لہٰذا امام علیہ السلام کے زمانہ حیات میں ان کی موجودگی میں، ان کی اجازت اور منظوری کے بغیر جو بھی حاکم تھے وہ طاغوت تھے۔ ان کی حکومت کو تسلیم کرنا اور ان کی قائم کردہ عدالتوں کی طرف رجوع کرنا حرام تھا۔

لیکن زمانہ غیبت میں مختلف معاشروں میں قائم حکومتوں کو حضور امام کی غاصب اور طاغوتی حکومتوں پر قیاس کرنا غلط ہوگا۔ ہر معاشرے کا ایک عمرانی معاہدہ (Social Contract) ہوتا ہے۔ اس معاہدے کے مطابق عوام جسے حق حاکمیت دیں وہ جائز حکمران ہوگا۔ لہٰذا مومنین کرام اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ لیں کہ مقبولہ عمر ابن حنظلہ میں امام علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ: ''حکومت کے مقرر کردہ قاضی کے پاس فیصلے کے لیئے جانا حرام ہے''، آج کے حالات سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اس کا تعلق صرف ان حالات سے ہے جب امام معصوم معاشرے میں موجود ہوں اور ان کی موجودگی میں ان کی مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی حکمران بن بیٹھے۔ اس لحاظ سے مقبولہ عمر ابن حنظلہ آج کے حالات کے لحاظ سے بالکل غیر متعلق (irrelevant) ہو جاتا ہے۔

آیت اللہ خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا طاغوت کی عدالت میں جانے کے جواز کا فتویٰ:

طاغوت کی عدالت میں اپنے معاملات لے جانے کے حرام ہونے کے باوجود بعض حالات میں طاغوت کی عدالت کی طرف رجوع کرنا جائز ہے۔ خود آیت اللہ خمینیؒ نے بھی یہ فتویٰ دیا ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

یحرم الترافع الیٰ قضاۃ الجور: ای من لم یجتمع فیھم شرائط القضاء، فلو ترافع الیھم کان عاصیاً، وما اخذ بحکمھم حرام اذا کان دیناً، و فی العین اشکال، الا اذا توقف استیفاء حقه علی الترافع الیھم فلایبعد جوازه سیما اذا کان فی ترکه حرج علیه۔

ترجمہ: اپنے معاملات حکامِ جور کی عدالت میں لے جانا حرام ہے۔ حکام جور سے مراد وہ قاضی ہیں جن میں قاضی ہونے کی شرائط نہ پائی جاتی

ہوں۔ اگر کوئی اپنا معاملہ ان کی عدالت میں لے جائے تو وہ گناہ گار ہوگا اور ان کے فیصلے کی بنیاد پر جو کچھ حاصل کرے گا وہ حرام ہوگا اگر وہ قرض ہو، لیکن عین (یعنی وہ مال جو اصل شکل میں موجود ہو) اس کے حاصل کرنے کے حرام یا جائز ہونے میں اشکال ہے۔ (یعنی اس کا حرام یا جائز ہونا واضح نہیں ہے)۔ لیکن اگر صورت حال ایسی ہو کہ اپنا حق لینا انہیں عدالتوں میں جانے پر منحصر ہو تو پھر بعید نہیں کہ یہ جائز ہو، خاص طور پر اس صورت میں جب کہ اس حق کو ترک کرنا باعث حرج ہو۔ (تحریر الوسیلہ جلد 2، کتاب القضاء مسئلہ 4)

اس فتویٰ میں آیت اللہ خمینیؒ نے واضح اور واشگاف الفاظ میں فرمادیا ہے کہ اگر اپنا حق لینا حکام جور کی عدالت کے ذریعے ہی ممکن ہو، اور حق بھی ایسا ہو جسے نظر انداز نہ کیا جا سکتا ہو، جس کو ترک کر دینا باعث حرج ہو، تو ان کی عدالتوں کے ذریعے اپنا حق لینا جائز ہے۔

واپس آتے ہیں مقبولہ عمر بن حنظلہ کی طرف۔ عمر ابن حنظلہ اب اس مشکل کا حل دریافت کرتے ہیں کہ باہمی اختلافات اور جھگڑوں میں اگر لوگ حکومت کی قائم کردہ عدالتوں کی طرف رجوع نہ کریں تو کیا کریں؟

امام علیہ السلام اس مشکل کا حل اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ اپنے میں سے کسی ایسی شخص کو دیکھو جو ہماری احادیث بیان کرتا ہو، ہمارے حلال وحرام پر نظر رکھتا ہو اور ہمارے احکام کی معرفت رکھتا ہو۔ ایسے شخص کو تلاش کریں اور اسے **حَکَم** (یعنی ثالث) بنالیں۔ میں نے اسے تم پر حاکم مقرر کیا ہے۔

حَکَم کے اختیارات:

اس جملے کے یہ الفاظ بہت قابل غور ہیں کہ فلیرضوا به حَکَماً فانی قد جعلته علیکم حاکما یعنی اسے **حَکَم** بنانے پر راضی ہو جائیں۔ **حَکَم** ثالث کو کہا جاتا ہے جس کے پاس کوئی حکومتی اختیار نہیں ہوتا۔ اس کے اختیارات مصالحت کے لیئے تجاویز دینے سے زیادہ نہیں ہوتے۔ اس موقف پر دو شواہد ملاحظہ فرمائیں:

1۔ حضرت علی علیہ السلام کے دور حکومت میں جنگ صفین کے دوران **حَکَمِیَّت** کا واقعہ پیش آیا جو تاریخ اسلام کے اہم واقعات میں سے ایک ہے۔ اس میں حضرت علی علیہ السلام اور امیر شام کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیئے دو **حَکَم** مقرر کیئے گئے۔ ایک حکم حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے اور دوسرا حکم امیر شام کی طرف سے۔ ظاہر سی بات ہے کہ ان دونوں کے پاس کوئی حکومتی اختیار نہیں تھا۔ ان کا دائرہ کار صرف بحران اور مسئلہ کے حل کے لیئے تجویز دینا تھا۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں میاں بیوی کے درمیان طلاق روکنے اور ان کے اختلافات کے حل کے لیئے جو احکام دیئے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِہِمَا فَابْعَثُوْا حَکَماً مِنْ اَھْلِہٖ وَحَکَماً مِنْ اَھْلِھَا اِنْ یُرِیْدَا اِصْلاحاً یُوَفِّقِ اللہ بَیْنَہُمَا

ترجمہ: اگر تمہیں ان کے درمیان جدائی کا خوف ہو تو ایک **حَکَم** مرد کے خاندان والوں میں سے اور ایک **حَکَم** عورت کے خاندان والوں کی طرف سے مقرر کردو۔ اگر وہ دونوں اصلاح کے خواہش مند ہوئے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کی صورت پیدا کردے گا۔ (نساء:35)

یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ مدینہ میں اسلامی ریاست قائم کر چکے تھے اور آپ خود اس کے حاکم اور سربراہ تھے۔ کیا اس دور میں اگر کسی میاں بیوی کے درمیان اختلاف اور جھگڑا پیدا ہوجاتا اور اس آیت کے مطابق دونوں ایک ایک **حَکَم** اپنے خاندان سے مقرر کردیتے تو کیا ان میں سے ہر **حَکَم** کے پاس ولایت مطلقہ والے لامحدود اختیارات ہوتے جو اس حدیث کی رو سے آیت اللہ خمینی ولی فقیہ کے لیئے ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں؟ یا ان کا دائرہ کار صرف مصالحت کی تجاویز دینے تک محدود ہوتا؟

اس آیت سے بھی **حَکَم** کا کردار واضح ہوجاتا ہے کہ اس کا کام صرف راہ حل کی نشاندہی کرنا ہوتا ہے۔ اس کے پاس کوئی حکومتی اختیار نہیں ہوتا۔ **حَکَم** یعنی ثالث کو لامحدود اختیارات کا مالک حکمران سمجھنا بہت ہی عجیب اور نرالی منطق اور بڑی عجیب قسم کی فقاہت ہے۔

لیکن ولایت فقیہ والے فقیہ کی ولایت مطلقہ یعنی بے قید وشرط حاکمیت کو ثابت کرنے کے لیئے اسی جملے سے استدلال کرتے ہیں کہ: ''اسے **حَکَم** بنانے پر راضی ہوجائیں، میں نے اسے تم پر حاکم مقرر کیا ہے''۔ یعنی یہ شخص تمہارا ولی فقیہ ہے، جب یہ ولی فقیہ ہمارے حکم کے مطابق فیصلہ کردے تو

جو اس کے فیصلے کو نہ مانے وہ اللہ کے فیصلے کو خفیف قرار دیتا ہے، جو ان کے فیصلے کو رد کرے وہ ہمارے فیصلے کو رد کرتا ہے، جو ہمارے فیصلے کو رد کرے وہ اللہ کے حکم کو رد کرتا ہے اور وہ شرک کی سرحد پر ہے۔

یہ جملہ خود اس بات کو واضح طور پر بیان کر رہا ہے کہ اس **حَکَم** یعنی ولی فقیہ کے پاس اقتدار کی طاقت نہیں ہے اور جن لوگوں نے رضا کارانہ طور پر اس سے فیصلہ کروایا ہے ان پر واجب ہے کہ وہ اس کے فیصلے کو قبول کریں اور اس پر عمل کریں۔ اگر اس کے پاس اپنا فیصلہ نافذ کرنے کا حکومتی اختیار ہوتا تو یہ کہنے کی کوئی گنجائش ہی نہ ہوتی کہ جو ان کے فیصلے کو رد کرتا ہے وہ اللہ کے فیصلے کو خفیف جانتا ہے اور ہمارے حکم کو رد کرتا ہے۔ اس لیئے کہ اگر ان کے پاس اقتدار کی طاقت ہوتو پھر کون ان کے حکم کو رد کرسکتا ہے۔ کیا انقلاب ایران کے بعد ایران میں کسی شخص کے لیئے ممکن ہے کہ ولی فقیہ کے فیصلے کو یا ایران کی سرکاری عدالتوں کے فیصلے کو رد کر سکے؟

عمر ابن حنظلہ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک، اپنی اپنی پسند کے ایک شخص کو **حَکَم** یعنی ثالث بنالیتا ہے، یعنی ان دونوں میں سے ہر شخص اپنی پسند کے کسی ایسے شخص کو ولی فقیہ بنالیتا ہے جو احادیث معصومین کو بیان کرتا ہو، ان کے حلال وحرام کو جانتا ہو اور ان کے احکام کی معرفت رکھتا ہو۔ اس حدیث کی رو سے اب ایک ہی شہر میں یا ایک ہی گاؤں میں، ایک ہی مسئلہ کو حل کرنے کے لیئے دو ولی فقیہ ہو گئے۔ لہٰذا یہ تصور ایک لغو اور بیہودہ تصور ہوگا کہ پورے ملک میں بلکہ پوری دنیا میں ایک ولی فقیہ ہو جو دنیا بھر کے شیعہ عوام کا امام اور دنیا بھر کے مسلمانوں کا ولی امر ہو اور ولی امر مسلمین جہان کے منصب پر فائز ہو؟

اب یہ بھی ممکن ہے کہ ان دو ولی فقیہ حضرات نے، جو درحقیقت ایک ثالث کی حیثیت رکھتے ہیں، ایک ساتھ بیٹھ کر اس مسئلے پر غور وفکر کیا ہو، جیسے عدالت میں دو ججوں پر مشتمل ایک بنچ ہوتا ہے اور پھر ان دونوں کے فیصلے میں اختلاف ہو گیا ہو۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص نے اپنی دسترس میں موجود ایک ولی فقیہ کے سامنے مسئلہ رکھا اور اس نے اس کا حل بتا دیا۔ دوسرے نے اپنی دسترس میں موجود ایک اور ولی فقیہ کے سامنے مسئلہ پیش کر دیا اور اس نے کچھ اور حل بتا دیا۔ اس طرح ان دونوں کے فیصلوں میں اختلاف ہو گیا ہو۔ دونوں ولی فقیہ ہیں، دونوں کو امام نے حاکم بنایا ہے، دونوں اپنی اپنی جگہ امام

معصوم کی حدیث کی روشنی میں فیصلہ کررہے ہیں لیکن دونوں کے فیصلے آپس میں ٹکرا رہے ہیں۔اب یہاں کیا کیا جائے؟ کس ولی فقیہ کا حکم مانا جائے؟

یہاں امام علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ جس کے ہاتھ میں حکومت ہو اس کا فیصلہ مان لو اور دوسرا فقیہ بھی اس کے فیصلے کے سامنے ضرور سر تسلیم خم کرے۔آپ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ ووٹنگ کروالو اور جس فقیہ کو زیادہ ووٹ مل جائیں اس کا فیصلہ مان لو۔

اس صورت حال میں امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان دو ولی فقیہ حضرات میں سے جو زیادہ عادل (اعدل) ، زیادہ فقیہ (افقه)، زیادہ سچا (اصدق) اور زیادہ متقی و پرہیز گار (اورع) ہو اس کا فیصلہ مانا جائے گا۔یعنی دو ولی فقیہ ہیں، دونوں احادیث معصومین کو بیان کرنے والے ہیں، دونوں معصومین کے حلال وحرام پر نظر رکھتے ہیں، دونوں احکام معصومین کی معرفت رکھتے ہیں، دونوں ہی عادل اور متقی ہیں، دونوں کو امام علیہ السلام نے یہ کہہ کر حاکم بنایا ہے کہ: فانی قد جعلته علیکم حاکما (بے شک میں نے اسے تم پر حاکم مقرر کیا ہے)۔اب ان دونوں کے فیصلے میں اختلاف کی صورت میں عوام سے کہا جارہا ہے کہ ان دونوں عادل، باتقویٰ فقہاء میں سے، جو کہ دونوں ولی فقیہ ہیں، اس ولی فقیہ کا فیصلہ مانا جائے جو زیادہ عادل، زیادہ فقیہ، زیادہ سچا اور زیادہ متقی و پرہیز گار ہو۔معلوم ہوا کہ ان دو ولی فیقہ صاحبان کے پاس اپنا حکم اور فیصلہ نافذ کرنے کی کوئی حکومتی طاقت نہیں ہے، وہ صرف اپنی رائے اور اپنا فیصلہ دے رہے ہیں۔اب ان میں سے کس کی بات ماننی ہے اور کس کی نہیں ماننی اس کا فیصلہ بھی ان افراد نے ہی کرنا ہے جن کا آپس میں جھگڑا ہے۔

جیسے تیسے کر کے بیچاروں نے تحقیق کی تو معلوم ہو کہ دونوں علم وفقاہت میں، عدالت میں، سچائی میں اور تقویٰ و پرہیز گاری میں برابر ہیں، کسی کو دوسرے پر ذرا بھی برتری حاصل نہیں ہے۔اب کیا کریں؟ جواب دیا جارہا ہے کہ فی الحال اپنے مسئلے کو رکھیں ایک طرف اور اب اس بات پر تحقیق شروع کردیں کہ ان دونوں میں سے کس کی حدیث پر ہمارے فرقے کے علماء کا اجماع ہے۔جس کی حدیث پر ہمارے فرقے کے علماء کا اجماع ہے اس کا فیصلہ مان لیں اور دوسرے کے فیصلے کو ترک کردیں۔دونوں بیچارے جو عام آدمی ہیں، عوام میں سے ہیں، لگ گئے اس کام پر۔اللہ جانے کس مشکل سے یہ تحقیقی کام مکمل کیا۔جب مکمل کر چکے تو معلوم ہوا کہ دونوں کی احادیث ہمارے فرقے کے علماء کے ہاں یکساں طور پر مشہور اور قابل قبول ہیں۔کسی کی حدیث کو

دوسرے کی حدیث پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے یعنی دو متضاد اور مختلف حدیثیں ہیں اور دونوں کے صحیح ہونے پر ہمارے فرقے کے علماء متفق ہیں، دونوں کو ہمارے مکتب کے علماء یکساں طور پر قبول کرتے ہیں۔ جبکہ مولا علی علیہ السلام کا ایک ارشاد ہے:

ما اختلفت دعوتان الا کانت احداھما الضلالہ (نہج البلاغہ حکمت: 183)

ترجمہ: جب بھی دو باتیں، دو دعوتیں، دو پیغام، دو نظریات، دو آراء ایک دوسرے سے مختلف ہوں تو ان میں سے ایک ضرور باطل ہوتی ہے۔

اب کیا کریں؟ اب ایک نیا تحقیقاتی مشن شروع کرنے کا حکم دیا جارہا ہے کہ اب یہ دیکھو کہ ان دو ولی فقیہ حضرات میں سے کس کی حدیث قرآن وسنت کے مطابق اور عام مسلمانوں کے خلاف ہے۔ جس ولی فقیہ کی حدیث کتاب وسنت کے مطابق اور عامہ کے خلاف ہو اس کا فیصلہ قبول کیا جائے گا اور جس ولی فقیہ کی حدیث اس معیار پر پوری نہ اترے اس کے فیصلے کو چھوڑ دیا جائے۔ اب یہ دونوں افراد جو عوام میں سے ہیں، سارے کام چھوڑ چھاڑ کر اس کام پر لگ جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کی حدیث کتاب وسنت کے مطابق ہے، لیکن دونوں ہی عامہ کے موافق ہیں۔

یہ پھر ایک انتہائی عجیب اور قابل غور مرحلہ ہے۔ دو متضاد باتیں، دو مختلف باتیں اور دونوں قرآن کے مطابق۔ **یا للعجب!** اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں واضح طور پر کہہ رہا ہے کہ:

لَوۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَيۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا فِيۡهِ اخۡتِلَافًا كَثِيۡرًا (نسآء: 82)

ترجمہ: اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔

یعنی قرآن کے کتاب اللہ ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ اس میں اختلافی بات کوئی نہیں۔ اب ظاہر سی بات ہے کہ جب قرآن میں اختلافی بات کوئی نہیں تو پھر دو مختلف اور متضاد باتیں، جن میں سے ایک ضرور باطل ہے، دونوں قرآن کے مطابق کیسے ہوسکتی ہیں؟

مولا علی علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ دو باتیں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتی ہوں تو ان میں سے ایک ضرور باطل ہوتی ہے، قرآن میں نہ اختلاف ہے نہ وہ اختلاف کی تصدیق کرتا ہے اور یہاں دو مختلف اور متضاد باتیں، جن میں سے ایک ضرور باطل ہے، دونوں قرآن کے مطابق !! یہ کیسے

ممکن ہوسکتا ہے؟

بہر حال ان دو بیچاروں کا مسئلہ ہے کہ کسی طرح سے حل ہونے میں ہی نہیں آرہا۔ اب انہیں کہا جارہا ہے کہ اب یہ دیکھو کہ ان دونوں ولی فقیہ حضرات نے جس حدیث کی بنیاد پر فیصلہ دیا ہے، عامہ کے علماء ان دونوں میں سے کس کی طرف زیادہ مائل ہیں؟ اس تفتیش کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عامہ کے علماء وفقہاء وقاضی صاحبان کا دونوں کی طرف یکساں جھکاؤ ہے۔ اس معیار کے لحاظ سے بھی ان دو احادیث میں سے کسی کو دوسری پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔

اب کیا کریں؟ جواب ملتا ہے کہ اب اس وقت کا انتظار کرو جب تمہاری اپنے امام سے ملاقات ہو، تو اپنے جھگڑے اور اختلاف کا فیصلہ امام علیہ السلام سے کروالینا۔ یعنی اگر زمانہ امام معصوم میں ایسی صورت حال پیدا ہوجائے کہ دو ولی فقیہ حضرات کے فیصلے آپس میں ٹکرارہے ہوں اور امام علیہ السلام کے بیان کردہ کسی بھی معیار (Merit) پر کسی کے فیصلے کو دوسرے کے فیصلے پر برتری حاصل نہ ہو تو اس وقت کا انتظار کرو جب امام علیہ السلام سے ملاقات کا موقع ملے۔ ظاہر سی بات ہے کہ آئمہ معصومین علیہم السلام کے زمانے میں تو کسی امام کے پاس سیاسی حکومت واقتدار نہیں تھا تو ان ولی فقیہ حضرات کے پاس سیاسی اقتدار کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو ان کے زمانہ حیات میں ان ہی کی طرح غاصب طاغوتی حکمرانوں کی حکومت میں زندگی گزاررہے تھے اور ولایت فقیہ کے منصب پر فائز ہوکر لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کرتے تھے۔

مقبولہ عمر ابن حنظلہ سے ایک اور بہت دلچسپ بات بھی سامنے آرہی ہے کہ دو افراد کے ایک جزئی اور نجی مسئلہ پر دو ولی فقیہ حضرات کا علم و فقاہت اور ان کی عقل وبصیرت کام کررہی ہے اور مسئلہ حل ہونے کی بجائے پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتا چلا گیا اور ملاقات امام علیہ السلام تک لٹک گیا جبکہ اس حدیث سے فقیہ کی ولایت مطلقہ یعنی بے قید وشرط حاکمیت ثابت کرنے والے کہتے ہیں کہ ایک ولی فقیہ ہوگا اور دنیا کے سب شیعہ عوام اور سب مسلمانوں کے سب مسائل کے حل کی گیدڑ سنگھی اس کے پاس ہوگی، اس سے اختلاف کرنا حرام ہوگا، دنیا بھر کے سب شیعہ ہر وقت اسے لبیک لبیک کہتے رہیں، جو نہیں کہے گا وہ شیعہ بھی نہیں ہوگا، بلکہ منافق ہوگا، اسے جینے کا بھی کوئی حق حاصل نہیں ہوگا، اس کے خلاف مرگ بر۔۔۔۔ کے نعرے لگا لگا کر اسے

ہروقت ہراساں کیا جائے گا، چاہے وہ مرجع تقلید ہو اور علم وفقاہت وتقویٰ ودینداری میں ڈنڈا بردار ولی فقیہ سے کہیں زیادہ برتر ہو۔

قارئین محترم! مقبولہ عمر ابن حنظلہ اپنی پوری تشریح کے ساتھ آپ کے سامنے ہے۔ اس حدیث سے یہ باتیں سامنے آتی ہیں:

☆ جب امام معصوم معاشرے میں موجود ہوں تو غاصب طاغوتی حکمرانوں کی قائم کردہ عدالتوں کی طرف رجوع کرنا حرام ہے۔

☆ مومنین میں کوئی اختلاف اور جھگڑا ہو جائے تو کسی ایسے عالم کی طرف رجوع کریں جو علوم آئمہ معصومین علیہم السلام کی روشنی میں اختلاف کا فیصلہ کر سکتا ہو۔

☆ اگر دو علماء یعنی دو ولی فقیہ حضرات کی طرف رجوع کیا جائے اور دونوں کی رائے الگ الگ ہو تو اس کے فیصلے کو تسلیم کیا جائے گا جو علم وفقاہت میں، عدالت میں، سچائی میں، تقویٰ اور پرہیزگاری میں دوسرے سے برتر ہو۔ دوسرے ولی فقیہ کی چھٹی۔

☆ اگر دونوں ولی فقیہ حضرات علم وفقاہت میں، عدالت میں، سچائی میں، تقویٰ و پرہیزگاری میں برابر ہوں تو پھر اس کا فیصلہ مانا جائے گا جس کی حدیث پر ہمارے فرقے کے علماء کا اجماع ہو۔ دوسرے ولی فقیہ کی چھٹی۔

☆ دونوں کی احادیث ہمارے فرقے کے علماء میں یکساں طور پر مقبول ہوں تو پھر اس کا فیصلہ مانا جائے گا جس کی حدیث کتاب وسنت کے مطابق اور عامہ (یعنی اہل سنت) کے خلاف ہو۔ اور دوسرے ولی فقیہ کی چھٹی۔

☆ اگر دونوں قرآن وسنت کے مطابق اور عامہ کے موافق ہوں تو پھر جس کی طرف عامہ کے علماء وفقہاء علماء، فقہاء اور قاضیوں کا جھکاؤ کم ہوگا اس کا فیصلہ مانا جائے گا اور دوسرے ولی فقیہ کی چھٹی۔

☆ اگر دونوں حدیثیں عامہ کے علماء وفقہاء اور قاضی صاحبان کے ہاں بھی یکساں مقبول ہوں تو دونوں ولی فقیہ حضرات کی چھٹی۔ ان میں سے کسی کا فیصلہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ آپ امام سے ملاقات کے موقع کا انتظار کریں اور امام سے اختلاف کا حل دریافت کریں۔

اب یہاں چند سوالات جواب طلب ہیں:

1۔ کیا عملی طور پر ایسی صورتحال پیش آنے کا کوئی امکان ہے جس کا اس حدیث میں ذکر ہے۔ ایک مسئلہ میں دو شیعہ فقہاء، یا دو ولی فقیہ اختلاف کرتے ہیں، دونوں ہی علم وفقاہت میں، عدالت میں، سچائی میں، تقویٰ اور پرہیز گاری میں برابر ہیں، دونوں کی حدیثیں شیعہ علماء وفقہاء کے ہاں یکساں طور پر معتبر ہیں، دونوں کی حدیثیں کتاب وسنت کے مطابق ہیں اور دونوں کی حدیثیں عامہ کے ہاں بھی یکساں طور پر مقبول ہیں۔ کیا عملی طور پر اس کی کوئی ایک مثال بھی پیش کی جاسکتی ہے؟ یہ مکمل طور پر ایک فرضی (Hypothetical) مسئلہ ہے جو روئے زمین پر نہ کبھی پیش آیا ہے نہ پیش آسکتا ہے۔ اس حدیث کی سند تو کمزور ہے ہی، لیکن سند سے قطع نظر، اسی بات سے اس روایت کا امام معصوم سے صادر ہونا مشکوک ہوجاتا ہے۔

2۔ اس حدیث کے کون سے حصے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک فقیہ اپنے ملک میں تحریک چلائے، عوام کو اسلام کے نام پر اکسا کر سڑکوں پر لے آئے، ساٹھ ستر ہزار افراد مروا کر اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لے، اپنے آپ کو دنیا بھر کے شیعہ عوام کا امام اور دنیا بھر کے مسلمانوں کا ولی امر سمجھنے لگ جائے اور پھر اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لیئے وہ وہ ظلم وستم کرے جو اس کے پیش رو ظالم حکمران کے وہم وگمان میں بھی کبھی نہ آئے ہوں۔

3۔ اس حدیث کے مطابق کسی مسئلہ میں دو فقہاء کے درمیان اختلاف پیدا ہوجائے تو اس فقیہ کی بات حجت ہے جو افقہ ہے۔ یعنی فقہ میں زیادہ مہارت رکھتا ہے۔ مسئلہ ولایت فقیہ بھی ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، جیسا کہ ہم چند بزرگ فقہاء کے اختلافی اقوال کو نمونے کے طور پر بیان کر چکے ہیں۔ اس حدیث کی روشنی میں ان فقہاء کی بات ماننی ہوگی جو افقہ ہوں۔ جب یہ بات طے شدہ ہے کہ افقہ فقہاء کی اکثریت ولایت فقیہ بمعنی حکومت فقیہ درست نہیں مانتی۔ لہٰذا خود اسی حدیث کی روشنی میں ولایت فقیہ بمعنی حکومت فقیہ کے قائل فقہاء کا فتویٰ اور فیصلہ کالعدم ہوجاتا ہے۔

اسی حدیث کی رو سے اگر کسی معاملہ میں دو فقہاء یا فقہاء کے دو گروہوں کے درمیان اختلاف پیدا ہوجائے جو کسی صورت میں حل نہ ہو رہا ہو تو اسی حدیث کے مطابق اس کے بارے میں توقف کرنا لازمی ہے یہاں تک کہ امام علیہ السلام سے ملاقات ہو اور وہ اس کا فیصلہ فرما دیں۔ بنا بریں اگر ولایت فقیہ کے مسئلہ کے بارے میں بھی فقہاء کے دو گروہوں میں فیصلہ نہ ہو رہا ہو تو ظہور امام زمانہ علیہ السلام تک اس کے بارے میں توقف کیا جائے گا۔

4۔ اس حدیث میں امام علیہ السلام اپنے دور کے دو شیعہ افراد کے باہمی اختلاف کو حل کرنے کے لیئے رہنمائی کر رہے ہیں۔ اس حدیث کے کس حصے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے امام علیہ السلام اس حدیث میں اپنے ہی دور کے کسی فقیہ کی ایسی حکومت قائم کرنے کی بات کر رہے ہیں جو خود امام معصوم علیہ السلام بھی قائم نہیں کر سکتے تھے۔ یہ بات بھی ضرور پیش نظر رہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ حیات میں شیعہ کی تعداد بہت کم تھی، وہ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تھے۔ کیا امام جعفر صادق علیہ السلام دوسرے حکمرانوں کی سخت جابر و ظالم حکومت میں رہتے ہوئے، شیعوں کو ریاست کے اندر ریاست اور ایک متوازی حکومت بنانے کا حکم دے رہے تھے؟

5۔ اس حدیث سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ جو ولی فقیہ، علم و فقاہت، عدالت، سچائی، تقویٰ اور پاکیزگی میں دوسرے سے برتر ہو اس کا فیصلہ مانا جائے گا۔ لیکن اس حدیث سے یہ بات کہاں سے نکل آئی کہ جس ولی فقیہ کے پاس اقتدار کا ڈنڈا ہو اس کا فیصلہ مانا جائے اور وہ فقہاء جو علم و فقاہت، عدالت، سچائی، تقویٰ و پرہیز گاری میں اس سے بدرجہا افضل اور برتر ہوں وہ سب کے سب بھی اس کے محکوم ہو جائیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ اگر ان میں سے کوئی اس ڈنڈا بردار ولی فقیہ کے نظریہ سے اختلاف کرے، تو اس کی زبان بندی کر دی جائے، اس کے درس پر پابندی لگا دی جائے، اس کے ادارے ضبط کر لیئے جائیں، اس کے رسالہ توضیح المسائل پر پابندی لگا دی جائے اسے مرجعیت سے معزول کرنے جیسی گھٹیا حرکتیں کی جائیں، اس کے بنک اکاؤنٹ منجمد کر کے اس کے فنڈز اپنے من پسند افراد اور اداروں کو دے دی جائے، اس پر جھوٹے الزامات لگا کر اس کو گھر میں نظر بند کر دیا جائے، نظر بندی میں بیمار ہو جائے تو اسے علاج معالجہ کی سہولیات سے محروم کر دیا جائے، مر جائے تو اس کی وصیت کے مطابق اس کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھنے دی جائے، اس کی وصیت کے مطابق اس کی نماز جنازہ پڑھانے کی کوشش کرنے والے مجتہد کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا جائے، اس کی مجلس ترحیم نہ ہونے دی جائے، اگر اس کا کوئی شاگرد اپنے گھر میں اس کے لیئے قرآن خوانی کروا دے تو اسے بھی گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا جائے اور پھر اس طرز حکومت کو حضرت علی (علیہ السلام) کا طرز حکومت کہا جائے۔ جس فقیہ کی حکومت میں فقہاء پر اس قسم کی جابرانہ پابندیاں اور مظالم ہوں اس کی حاکمیت ولایت طاغوت ہوگی یا ولایت الٰہیہ؟

دوسری دلیل:

اب ایک اور حدیث کا جائزہ لیتے ہیں جس سے ولایت فقیہ بمعنی حاکمیت فقیہ کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اپنے نظریہ ولایت فقیہ کی تائید میں اس حدیث کو پیش کرتے وقت آیت اللہ خمینیؒ لکھتے ہیں کہ: **روایتی کہ در دلالتش اشکال نیست**۔ یعنی ایسی روایت جس کی دلالت میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ حالانکہ اس روایت سے ولایت فقیہ بمعنی حکومت فقیہ پر دلالت میں اشکال نہیں اشکالات ہیں جیسا کہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ حدیث یہ ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللھم ارحم خلفائی، اللھم ارحم خلفائی، اللھم ارحم خلفائی۔ قیل من خلفائك؟ قال الذین یأتون من بعدی ویروون حدیثی وسنتی ویعلمونها الناس (وسائل الشیعہ 92:27)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا اللہ میرے خلفاء پر رحم فرما، یا اللہ میرے خلفاء پر رحم فرما، یا اللہ میرے خلفاء پر رحم فرما۔ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کے خلفاء کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ جو میرے بعد آئیں گے میری حدیث اور سنت کو بیان کریں گے اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیں گے۔

اس حدیث سے ولایت فقیہ بمعنی حکومت فقیہ پر استدلال کرنے والوں کا استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں سنت رسول اور حدیث رسول کو بیان کرنے والوں اور لوگوں کو سنت رسول اور حدیث رسول کی تعلیم دینے والوں کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنا خلیفہ قرار دیا ہے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکمران بھی تھے لہٰذا ان کے خلفاء کے لیئے بھی حق حکمرانی ثابت ہے۔

مقبولہ عمر بن حنظلہ اور اس حدیث اور ایسی ہی دیگر احادیث سے فقیہ کی ولایت مطلقہ یعنی بے قید و شرط حاکمیت پر استدلال کرنے والوں پر یہ حکایت صادق آتی ہے کہ کسی بھوکے سے پوچھا گیا کہ دو اور دو کتنے ہوتے ہیں تو اس نے جواب دیا: چار روٹیاں۔ حالانکہ سوال میں روٹیوں کا ذکر اشارۃً بھی موجود نہیں تھا۔

ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنیادی طور پر معلم نہیں تھے؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بنیادی کام لوگوں کو تعلیم دینا نہیں تھا؟ سورۂ جمعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلاً مِنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

ترجمہ: اللہ نے اُمّی لوگوں میں خود انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے، ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

نیز یہ حدیث بھی نہایت قابل توجہ ہے:

خرج رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فاذا فی المسجد مجلسان: مجلس یتفقهون و مجلس یدعون الله و یسئلونه فقال کلا المجلسین الی خیر، اما هوءلاء فیدعون الله و اما هوءلاء فیتعلمون و یفقهون الجاهل، هوءلاء افضل، بالتعلیم ارسلت فقعد معهم (بحارالانوار 1:206)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر سے نکل کر مسجد میں آئے تو دیکھا کہ وہاں دو مجلسیں برپا ہیں۔ ایک مجلس میں لوگ تعلیم و تعلم میں مصروف ہیں اور دوسری مجلس میں لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دعا میں مشغول ہیں۔ آپ نے فرمایا دونوں مجلسیں خیر کی طرف ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے ذکر اور دعا میں مصروف ہیں اور یہ علم حاصل کرنے اور جاہلوں کو تعلیم دینے میں مصروف ہیں۔ یہ افضل ہیں، مجھے بھی تعلیم کے لیئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ پھر آپ اس مجلس میں بیٹھ گئے۔

اس حدیث سے اور ایسی ہی بہت سے احادیث سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوجاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنیادی طور پر تعلیم وتربیت کے لیئے بھیجے گئے تھے۔ آپ کا بنیادی فریضہ لوگوں کو تعلیم دینا تھا اور آپ کی بنیادی حیثیت ایک معلم کی حیثیت تھی۔

زیر بحث حدیث (اللھم ارحم خلفائی) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بیان فرما رہے ہیں کہ جو علماء لوگوں کو احادیث نبوی اور سنت

نبوی کی تعلیم دیں گے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اصل کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء ہیں۔اس حدیث میں احادیث مبارکہ اور سنت نبوی اوران کی تعلیم کی اہمیت بیان کی جارہی ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی جیسے امیر المومنین علیہ السلام نے علم اور مال ودولت کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے کہا کہ علم مال ودولت سے افضل ہے اس لیئے کہ علم انبیاء کی میراث ہے اور مال فرعونوں کی میراث ہے۔ (بحارالانور 185:1)

کیا مولاعلی کے اس فرمان کی روشنی میں اس بات کی گنجائش ہے کہ اب ہر مالدار آدمی کہنا شروع کر دے کہ امیر المومنین علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق میں فرعون کا وارث ہوں اور فرعون کے پاس بادشاہی اور حکومت تھی، لہٰذا بادشاہی اور حکومت بھی فرعون کی وراثت ہے جو فرعون کا وارث ہونے کی حیثیت سے میرا حق ہے۔

علم، عالم اور تعلیم کی اہمیت اور فضیلت کو بیان کرنے والی احادیث سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا کہ اقتدار ملاؤں کا حق ہے اور اصرار کرنا کہ لوگ حکومت واقتدار ملاؤں کے حوالے کردیں ایک انتہائی عجیب، انتہائی بیہودہ اور انتہائی لغو بات ہے۔

بنیادی طور پر اسلام میں حکومت اور سیاسی اقتدار کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام اپنے پھٹے ہوئے جوتے کی مرمت کر رہے تھے۔ان کے چچازاد بھائی اور شاگرد عبداللہ ابن عباس یہ منظر دیکھ رہے تھے۔آپ نے ان سے سوال کردیا کہ ابن عباس اس جوتی کی کیا قیمت ہو گی؟ ابن عباس نے کہا: اس جوتے کی کوئی قیمت نہیں ہے۔آپ نے جواب دیا: اللہ کی قسم مجھے یہ جوتا تم لوگوں پر حکومت کرنے سے زیادہ محبوب ہے، مگر یہ کہ حکومت کا مقصد یہ ہو کہ میں کسی حق کو قائم اور کسی باطل کو دور کرسکوں۔ (نہج البلاغہ خطبہ 33)

جس حکومت کو امیر المومنین علیہ السلام اپنے پھٹے ہوئے پرانے جوتے سے بھی پست قرار دے رہے ہیں اس حکومت کو حاصل کرنے کے لیئے ہزاروں افراد کی جان کی قربانی دینا اور پھر اسے حاصل کرنے کے بعد اسے قائم رکھنے کے لیئے ہر قسم کے ظلم کا ہتھیار استعمال کرنا، اسلام اور تشیع سے کوئی مناسب نہیں رکھتا۔

اب ممکن ہے ولایت فقیہ بمعنی حاکمیت فقیہ کا کوئی طرف دار یہ کہہ دے کہ چونکہ معاشرے میں عدل قائم کرنا ضروری ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ

حکومت فقہاء کے پاس ہو۔اس کے جواب میں ہم دو باتیں کہیں گے:

1۔ یہ بات ایک بے بنیاد خیال کے سوا کچھ نہیں کہ عدل کی حکومت قائم کرنے کے لیئے ضروری ہے کہ حکومت فقیہ کے پاس ہو۔ بلکہ حالات وواقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ اگر عدل قائم کرنا ہے تو اس کے لیئے ضروری ہے کہ اقتدار ملاؤں کے ہاتھ میں نہ ہو۔ مُلا حضرات اور کچھ کر سکتے ہوں یا نہیں، اقتدار حاصل کرنے کے بعد عدل ہرگز نہیں کر سکتے۔

2۔ معاشرے میں عدل قائم کرنے کے لیئے ضروری ہے کہ حاکم عادل ہو، چاہے کافر ہو، اور ملک کا عدالتی نظام ٹھیک طرح سے کام کر رہا ہو اور لوگوں کو انصاف مل رہا ہو۔

الملك يبقى مع الكفر ولا يبقى مع الظلم (بحارالانوار 331:73)

ترجمہ: حکومت کفر کے ساتھ قائم رہ سکتی ہے لیکن ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی۔

اس کا مطلب واضح طور پر یہ ہے کہ اگر حکمران کافر ہو لیکن لوگوں کو انصاف مل رہا ہو تو کفر کی یہ حکومت فقیہ کی اس حکومت سے افضل ہے جس میں لوگوں کو انصاف نہ مل رہا ہو۔

لہٰذا حدیث اللهم ارحم خلفائی سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ چونکہ رسول اللہ حاکم تھے، اور علماء ان کے خلفاء ہیں لہٰذا حکومت بھی ان کا حق ہے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنیادی طور پر معلم تھے، ان کا بنیادی کام لوگوں کو اللہ کے دین کی تعلیم دینا تھا لہٰذا جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امت کو احادیث رسول اور سنت رسول کی تعلیم دینے کے مقدس کام میں مصروف ہیں وہ تبلیغ دین اور تعلیم وتربیت کے کام میں رسول اللہ کے خلفاء ہیں۔

یہ بات بھی ضرور پیش نظر رہے کہ حکومت کا مقصد معاشرے میں نظم وضبط قائم کرنا ہوتا ہے تاکہ سب لوگ قانون کے مطابق اپنے اپنے دائرے میں رہ کر کام کریں اور کوئی شخص قانون کی خلاف ورزی نہ کرے۔لیکن اگر اس حدیث سے یہ معنی لیئے جائیں کہ ہر وہ شخص جو احادیث بیان کرتا

ہے اور لوگوں کو حدیث رسول اور سنت رسول کی تعلیم دیتا ہے اسے حکمرانی کا حق حاصل ہے تو اس کا نتیجہ سوائے بدنظمی اور آشوب کے کچھ نہیں ہوگا۔ ایک ملک اور شہر کو چھوڑ دیں بعض اوقات ایک گاؤں میں ایسے دو تین علماء موجود ہوتے ہیں جو لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث اور سنت کی تعلیم دے رہے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک یہ کہنا شروع کر دے کہ میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوں اور اقتدار کے حصول کے لیئے ہاتھ پاؤں مارنے لگ جائے تو معاشرے کی کیا صورت حال ہو جائے گی؟ پاکستان جیسا ملک جس میں کئی اسلامی فرقے ہیں اور ہر فرقے کے کئی کئی ذیلی فرقے ہیں، اگر یہاں ہر فرقے کا اور ہر فرقے کے ہر دھڑے کا ہر عالم یہ کہنا شروع کر دے کہ میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوں اور پاکستان پر حکومت کرنا میرا حق ہے، تو ذرا سوچیں پاکستان کا کیا حشر ہو جائے گا؟

اس بات کو اس انداز سے بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد اپنی سنت اور احادیث کی تعلیم دینے والے ہر عالم کو اپنا خلیفہ کہا ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ وہ سب افراد جو یہ رسالتی فریضہ انجام دے رہے ہیں وہ سب کے سب بیک وقت رسول اللہ کے خلفاء ہیں اور بیک وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت کے منصب پر فائز ہیں۔ لیکن اتنے سارے افراد ایک ہی وقت میں مملکت کے حاکم نہیں ہو سکتے۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سب دین کی تعلیم دینے میں رسول اللہ کے خلیفہ ہیں اور اس خلافت کا حکومت اور حکمرانی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک ضروری وضاحت:

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حدیث میں اپنے بعد کے زمانے کی بات کر رہے ہیں۔ اس بات میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کا دور آئمہ معصومین علیہم السلام کی امامت کا دور ہے نہ کہ فقہاء کی ولایت کا۔

کیا یہ ممکن ہے کہ ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ کہہ کر اپنے بعد کے لیئے مولا علی علیہ السلام کی ولایت وامامت کا اعلان کر رہے ہوں اور دوسری طرف اللھم ارحم خلفائی کہہ کر احادیث نبوی اور سنت نبوی کی تعلیم دینے والے سب علماء کو بھی

اپنا خلیفہ اور ایسا حاکم قرار دے رہے ہوں جو ولایت مطلقہ یعنی بے قید و شرط حاکمیت کے حامل ہوں۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح کے متضاد بیانات صادر فرما سکتے ہیں؟

بنابریں حدیث اللھم ارحم خلفائی کی دو تشریحات کی جا سکتی ہیں:

پہلی تشریح:

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث اور سنت کی تعلیم دینے والے علماء سے مراد آئمہ معصومین علیہم السلام ہیں۔ اس بات پر ہمارے پاس مضبوط دلائل موجود ہیں۔ پہلی دلیل حدیث ثقلین ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انی تارك فیكم الثقلین كتاب الله وعترتی اهل بیتی، ما ان تمسكتم بهما لن تضلوا ابعدی، وانهما لن یفترقا حتیٰ یردا علی الحوض

ترجمہ: میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور اپنی عترت اپنے اہل بیت، تم جب تک ان دونوں کے ساتھ وابستہ رہو گے میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہوگے، اور یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ ایک ساتھ حوض پر میرے پاس پہنچ جائیں گے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود یہ بات واضح فرما دی کہ قرآن مجید کے ساتھ، قرآن اور سنت رسول کے معلم آئمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ پس اللھم ارحم خلفائی میں بھی خلفاء سے مراد آئمہ معصومین علیہم السلام ہیں، نہ کہ عام علماء۔

یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے بھی روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے:

قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم: من احب ان یركب سفینة النجاة ویستمسك بالعروة الوثقیٰ ویعتصم بحبل الله المتین فلیوال علیا بعدی ولیعاد عدوه ولیاتم بالهداة من ولده. فانهم خلفائی واوصیائی وحجج الله علی الخلق بعدی

(بحار الانوار جلد 23 صفحہ 144)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جسے یہ بات پسند ہو کہ وہ نجات کی کشتی پر سوار ہو اور قابل اعتماد سہارے کو تھام لے اور اللہ کی مضبوط رسی کو پکڑ لے تو اسے لازم ہے کہ میرے بعد علی کو اپنا ولی مانے اور ان کے دشمن سے دشمنی کرے اور ان کی اولاد سے ہونے والے ہدایت دینے والوں کو امام مانے۔ یہی میرے بعد میرے خلفاء میرے اوصیاء اور اللہ کی حجت ہیں۔

اس حدیث میں فانہم خلفائی (یہی میرے خلفاء ہیں) کے الفاظ سے بہت اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ حدیث اللھم ارحم خلفائی میں خلفائی سے مراد آئمہ معصومین علیہم السلام ہیں جن کے پاس کوئی سیاسی اقتدار نہیں تھا اور وہ سیاسی حکومت و اقتدار کے بغیر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء تھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث ہے:

الناس ثلاثة اصناف عالم و متعلم و غثاء: فنحن العلماء و شیعتنا المتعلمون و سائر الناس غثاء

(کافی جلد 1، باب اصناف الناس حدیث 4)

ترجمہ: لوگوں کی تین قسمیں ہیں: عالم، متعلم (یعنی طالب علم) اور گھاس پھوس۔ ہم علماء ہیں، ہمارے شیعہ طالب علم ہیں اور باقی لوگ گھاس پھوس ہیں۔

اس حدیث کی رو سے آئمہ معصومین علیہم السلام کے سوا کوئی عالم ہے ہی نہیں۔ عالم صرف وہی ہیں۔ ان کے سب شیعہ طالب علم ہیں خواہ بظاہر بڑے بڑے علماء و مجتہدین ہوں۔ لہٰذا حدیث اللھم ارحم خلفائی کو اس حدیث کی روشنی میں دیکھا جائے تو بھی خلفاء سے مراد آئمہ معصومین علیہم السلام ہوں گے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ زمانہ قدیم سے ہمارے علماء و فقہاء نے بھی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ اس حدیث میں خلفاء سے مراد آئمہ معصومین علیہم السلام ہیں نہ کہ عام راوی اور غیر معصوم علماء۔ اس حدیث سے ولایت فقیہ بمعنی فقیہ کی بے قید و شرط حاکمیت پر استدلال کرنا انتہائی عجیب ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ایسا استدلال کرنے والے کی حدیث فہمی کی صلاحیت پر اور اس کے فقیہ ہونے پر بھی ایک بہت بڑا سوالیہ نشان ہے۔

دوسری تشریح:

اس حدیث (اللهم ارحم خلفائی) میں ذیلی اور فرعی طور پر خلفائی سے مراد ہر وہ شخص ہے جو احادیث نبوی اور سنت نبوی کا علم رکھتا ہو اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیتا ہو اور لوگوں کو دین کے احکام کی تعلیم دینے کے معزز اور محترم کام کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو اپنا خلیفہ قرار دیا۔ بنابرین ہر وہ شخص جو قرآن وسنت کا علم حاصل کرنے کے بعد لوگوں کو ان کی تعلیم دے، خواہ کسی بہت بڑے تعلیمی مرکز میں آیت اللہ العظمیٰ کے طور پر درس دے رہا ہو، یا کسی چھوٹے سے گاؤں کی مسجد کے پیش نماز کے طور پر، یا کسی سکول، کالج یا یونیورسٹی میں اسلامیات کے استاد کے طور پر، وہ رسول اللہ کا خلیفہ ہے بشرطیکہ جن چیزوں کی تعلیم دیتا ہے خود ان پر عمل پیرا بھی ہو۔ اس لیئے کہ بہت سی احادیث میں عالم بے عمل کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

اس ساری تشریح سے یہ بات واضح اور ثابت ہو جاتی ہے کہ حدیث (اللهم ارحم خلفائی) کا سیاسی حکومت و اقتدار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر ائمہ معصومین علیہم السلام سیاسی اقتدار اور حکومت کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء ہو سکتے ہیں تو علماء بھی سیاسی اقتدار اور حکومت کے بغیر نیابت وخلافت رسول کے فرائض انجام دے سکتے ہیں۔ اس حدیث سے ملاؤں کے سیاسی اقتدار کو ثابت کرنے کے لیئے ہاتھ پاؤں مارنا دو اور دو چار روٹیوں والا معاملہ ہوگا۔

امام رضا علیہ السلام کی حدیث سے تائید:

زیر بحث حدیث (اللهم ارحم خلفائی) کے مضمون سے ملتے جلتے مضمون کی ایک حدیث حضرت امام رضا علیہ السلام سے بھی مروی ہے؛

عن عبد السلام بن صالح الهروی قال سمعت اباالحسن الرضا علیه السلام یقول:

رحم الله عبدا احییٰ امرنا، فقلت له کیف یحیی امرکم؟ قال: یتعلم علومنا ویعلمها الناس

فان الناس لو علموا محاسن کلامنا لاتبعونا

ترجمہ: عبدالسلام بن صالح ہروی کہتے ہیں کہ میں نے امام رضا علیہ السلام کو فرماتے سنا: اللہ اس شخص پر رحم کرے جس نے ہمارے امر کو زندہ کیا۔ میں نے کہا: آپ کے امر کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہمارے علوم کا علم حاصل کرتا ہے اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر لوگوں کو ہمارے کلام کی خوبصورتی کا علم ہو جائے تو وہ ضرور ہماری اتباع کریں گے۔ (معانی الاخبار صفحہ 180)

یہ حدیث الفاظ کے فرق کے ساتھ سو فیصد وہی بات کر رہی ہے جو حدیث (اللھم ارحم خلفائی) میں بیان ہوئی ہے۔ دنیا کا کونسا عقلمند انسان اس حدیث سے یہ مطلب لے سکتا ہے کہ علوم آئمہ کو سیکھنے اور سکھانے کا مطلب حکومت قائم کرنا ہے۔

تیسری دلیل:

ولایت فقیہ بمعنی فقیہ کی بے قید و شرط حاکمیت پر مندرجہ ذیل روایت سے بھی استدلال کیا گیا ہے جبکہ یہ روایت واضح طور پر ایک مختلف حقیقت کی طرف رہنمائی کر رہی ہے:

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: الفقھاء امناء الرسل ما لم یدخلوا فی الدنیا
،قیل یا رسول اللہ ما دخولھم فی الدنیا ؟ قال اتباع السلطان، فاذا فعلوا ذالك فاحذروھم علی دینکم

ترجمہ: امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فقہاء رسولوں کے امین ہیں جب تک دنیا میں داخل نہ ہوں۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! ان کے دنیا میں داخل ہونے سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: حکمرانوں کی پیروی۔ اور جب وہ ایسا کریں تو اپنے دین کے معاملے میں ان سے ڈرو۔ (کافی 46:1)

اس روایت سے ولایت فقیہ بمعنی حکومت فقیہ پر استدلال کرنے والوں کی عقل پر تعجب ہوتا ہے۔ یہ حدیث واضح طور پر فقہاء کی ذمہ داری کی حساسیت اور سنگینی کو بیان کر رہی ہے۔ اس حدیث میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ بنیادی طور پر سب فقہاء رسولوں کے امین ہیں۔ اللہ نے جو پیغام، ہدایات اور

احکامات رسولوں کے ذریعے لوگوں کے لیئے بھیجے ہیں رسولوں کے بعد وہ علماء وفقہاء کے پاس رسولوں کی امانت ہیں۔وہ اس وقت تک امین رہیں گے جب تک بادشاہوں اور حکمرانوں سے دور رہیں گے۔اس لیئے کہ بادشاہوں اور حکمرانوں کے اپنے حکومتی اور سیاسی مفادات ہوتے ہیں۔جو علماء وفقہاء ان بادشاہوں کے درباری وحواری، ان کے کاسہ لیس اور آلہ کار بن جاتے ہیں وہ دینی احکام میں ان کی مرضی کے مطابق ردوبدل کر دیتے ہیں اس لیئے وہ امین نہیں رہتے بلکہ خائن بن جاتے ہیں۔جب وہ حکمرانوں کے پیروکار اور آلہ کار بن جائیں تو سمجھ لو کہ تمہارے دین کی خیر نہیں۔اب ان سے بچنا اور دور رہنا لازمی ہے۔

یہ روایت واضح طور پر علماء وفقہاء کی حکومت کی نفی پر دلالت کر رہی ہے۔اس روایت سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فقہاء وعلماء جو حاکم نہیں ہیں، حکومت واقتدار میں نہیں ہیں اور حکومت اور حکمرانوں سے دور رہتے ہیں، ان کے کاسہ لیس نہیں بنتے وہ رسولوں کے امین ہیں۔یعنی معاشرے میں سلطان، بادشاہ اور حکمران بھی موجود ہیں، حکومت ان کی ہے اور اقتدار بھی ان کے ہاتھ میں ہے۔دوسری طرف اسی معاشرے میں، اسی ملک میں ، انہی بادشاہوں اور حکمرانوں کی حکومت میں علماء وفقہاء بھی موجود ہیں۔جو علماء اور فقہاء حکمرانوں اور بادشاہوں کے پیروکار اور آلہ کار نہیں بنتے وہ رسولوں کی امانت کے امین ونگہبان سمجھے جائیں گے۔جیسے ہی کوئی فقیہ کسی بادشاہ یا حاکم کا پیروکار اور آلہ کار بنے گا، رسولوں کا امین نہیں رہے گا۔اب دین کے معاملے میں اس پر اعتماد اور بھروسا نہیں کیا سکے گا، اب دین کے معاملے میں اس سے بچنا لازمی ہوجائے گا۔

اس حدیث سے یہ بات کہاں سے نکل آئی کہ حکومت کرنا فقہاء کا حق ہے۔یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اگر بادشاہ اور حکمران کے کاسہ لیس اور آلہ کار بن جانے والے فقہاء وعلماء سے بچ کر رہنے کا حکم دیا جارہا ہے تو ان علماء وفقہاء سے بچنا کتنا ضروری ہوگا جو خود حاکم اور بادشاہ بن بیٹھیں اور ظلم وستم ، فساد وخیانت اور پستی ودنائت میں عام بادشاہوں اور حکمرانوں سے دس ہاتھ آگے نکل جائیں۔یہ حدیث صاف الفاظ میں یہ کہہ رہی ہے کہ علماء وفقہاء جب تک حکمرانوں، بادشاہوں اور سیاست واقتدار سے دور رہیں گے رسولوں کے امین رہیں گے جیسے ہی سیاست اور اقتدار کی طرف جھکیں گے رسولوں کے امین نہیں رہیں گے۔

جو بات اس حدیث میں بیان کی گئی ہے اس کے بالکل برعکس بات کو اس سے ثابت کرنے کی کوشش کرنا خود ایک بڑی ہی عجیب قسم کی خیانت اور حیرت انگیز قسم کی فقاہت ہے۔

چوتھی دلیل:

علی ابن حمزہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

اذا مات المؤمن بکت علیه الملآئکة و بقاع الارض التی کان یعبد الله علیها وابواب السماء التی کان یصعد فیها باعماله و ثلم فی الاسلام ثلمة لا یسدها شئ لان المومنین الفقهاء حصون الاسلام کحصن سور المدیینة لها

ترجمہ: جب کوئی مومن مرتا ہے تو فرشتے، زمین کے وہ ٹکڑے جن پر وہ اللہ کی عبادت کیا کرتا تھا اور آسمان کے دروازے جن سے اس کے اعمال اوپر جاتے تھے اس پر گریہ کرتے ہیں اور اسلام میں ایسا شگاف پڑ جاتا ہے جسے کوئی چیز پُر نہیں کرسکتی اس لیئے کہ اسلام کو سمجھنے والے مومن افراد اسلام کا قلعہ ہوتے ہیں جس طرح شہر کی دیواریں شہر کی حفاظت کرتی ہیں۔ (کافی جلد اول باب فقد علماء حدیث 3)

اس حدیث سے بھی ولایت فقیہ پر استدلال کیا گیا ہے اور استدلال اس نکتے سے کیا گیا ہے کہ اس روایت میں فقہاء کو اسلام کے قلعے کہا گیا ہے جو اسلام کی حفاظت کرتے ہیں اور قلعہ کی طرح اسلام کی حفاظت کرنے کے لیئے ضروری ہے کہ فقہاء کے پاس حکومت اور سیاسی اقتدار ہو۔ اس استدلال پر یہی کہا جاسکتا کہ ماشاءاللہ! چشم بد درور۔

اس حدیث جو لفظ فقہاء استعمال ہوا ہے اس سے فقیہ کے مروجہ اصطلاحی معانی مراد لینا درست نہیں ہے۔ اس لیئے کہ اس میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ ہے المومنین الفقهاء جس کے معنی ہیں دین کو سمجھنے والے مومنین۔ اب ضروری نہیں کہ دین کو سمجھنے والے مومنین لازمی طور پر مولوی یا مجتہدین کے طبقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ ممکن ہے ایک مومن ڈاکٹر ہو، انجنئیر ہو، تاجر ہو، کسان ہو اور دین کی اچھی سمجھ بوجھ بھی رکھتا ہو۔ ہم صفحہ 13 پر یہ حدیث

نقل کرآئے ہیں کہ جو مومن 40 احادیث کی حفاظت کرتا ہو، یعنی ان کو اچھی طرح سمجھ کران پر عمل کرتا ہواور لوگوں کو بھی ان پر عمل کی ترغیب دیتا ہو قیامت کے اللہ تعالیٰ اسے ایک فقیہ کے طور پر محشور فرمائے گا۔

یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جن میں **تفقہ فی الدین** یعنی دین کو سمجھنے کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ ایسی ہی دو احادیث ملاحظہ فرمائیں:

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

تفقهوا فی الدین فانه من لم یتفقه فی الدین فانه اعرابی

ترجمہ: دین میں **تفقہ** کرو، بلا شبہ جو دین میں **تفقہ** نہیں کرتا وہ اعرابی ہے۔

(اصول کافی جلد 1، کتاب فضل العلم، باب 1 حدیث 6)

لوددت ان اصحابی ضربت رئوسهم بالسیاط حتی یتفقهوا فی الدین

ترجمہ: میں اس بات کو بہت پسند کرتا ہوں کہ میرے اصحاب کے سروں پر کوڑے مارے جائیں تا کہ وہ دین میں **تفقہ** کریں۔ (ایضاً حدیث 8)

دینداروں کی دو قسمیں قابل تصور ہیں۔ ایک وہ جو دین کا سطحی علم رکھتے ہوئے دین پر عمل کرتے ہیں، واجبات کو پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں، محرمات سے اجتناب کرتے ہیں لیکن دین کی گہری سمجھ بوجھ نہیں رکھتے۔ دوسرے وہ ہیں جو دین کی گہری سمجھ بوجھ بھی رکھتے ہیں۔ جو لوگ دیندار ہوتے ہیں لیکن دین کی سمجھ بوجھ نہیں رکھتے انہیں آسانی سے دین کے نام پر بے وقوف بنایا جاسکتا ہے، ان کی خوش اعتقادی کی بنیاد پر ان کو دین کے نام پر گمراہ کیا جاسکتا ہے۔ جس کی بہترین مثال دین کے نام پر خودکش دھماکے اور دہشت گردی کی کاروائیاں کرنے والے افراد ہیں۔ ظاہر سی بات ہے یہ لوگ دین سے ایک جذباتی وابستگی رکھتے ہیں لیکن دین کی سمجھ بوجھ نہیں رکھتے۔ لہٰذا دین کے نام پر آسانی سے بے وقوف بن جاتے ہیں اور دین کے نام پر جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں اور اسے دین کا حکم سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ لیکن جو مومنین دین کی اچھی سمجھ بوجھ رکھتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ خود اس قسم کے

فتنوں کا شکار نہیں ہوتے بلکہ اس قسم کے فتنوں کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں اور اس قسم کے فتنوں سے دین کی حفاظت کرتے ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں:

قصم ظهری عالم متهتك و جاهل متنسك فالجاهل يغش الناس بتنسكه و العالم يغر الناس بتهتكه

ترجمہ: دو قسم کے لوگوں نے میری کمر توڑ دی: بدعمل عالم اور جاہل عبادت گزار۔ جاہل عبادت گزار لوگوں کو اپنی عبادت سے دھوکا دیتا ہے اور بدعمل عالم اپنی بدعملی سے لوگوں کو دھوکا دیتا ہے۔ (بحارالانوار 111:3)

ظاہر سی بات ہے کہ ان دو گروہوں کے فریب میں وہی لوگ آتے ہیں جو دین دار ہوتے ہیں لیکن دین کی سمجھ بوجھ نہیں رکھتے۔ دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والے مومن خود بھی ان دو گروہوں کے دھوکے اور فریب سے محفوظ رہتے ہیں اور ان کے فریب کا پردہ چاک کر کے دوسروں کے دین کو بھی ان کے شر اور فتنہ سے محفوظ رکھتے ہیں۔

ولایت فقیہ کی دلیل کے طور پر پیش کی جانے والی یہ حدیث بھی درحقیقت **تفقه فی الدین** کی، یعنی دین میں گہری سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی اہمیت کو بیان کر رہی ہے۔ یہ احادیث مومنین کو اس بات کا حکم دے رہی ہیں کہ اندھی تقلید اور سادہ اور سطحی دین فہمی کی بجائے **تفقه فی الدین** کا راستہ اختیار کریں، یعنی دین میں گہری سمجھ بوجھ پیدا کریں۔

بنا بریں زیر بحث حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل غلط ہے کہ چونکہ یہ حدیث دین کی گہری سمجھ بوجھ رکھنے والے مومنین کو دین کی حفاظت کرنے والا قلعہ قرار دے رہی ہے لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ حکومت فقہاء کا حق ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ ہمارے ملک پاکستان میں ایک منافق ڈکٹیٹر (جنرل ضیاء) نے ریفرنڈم کرایا۔ ریفرنڈم میں پاکستان کے عوام سے سوال پوچھا گیا کہ کیا آپ پاکستان میں اسلامی نظام چاہتے ہیں؟ اگر آپ اسلامی نظام چاہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اگلے پانچ سال کے لیئے پاکستان کا صدر رہوں گا۔

مومنین غور فرمائیں کیا آئمہ معصومین علیہم السلام دین کے محافظ نہیں تھے؟ یقیناً تھے۔ کیا ان کے پاس حکومت تھی؟ بالکل نہیں تھی۔ یعنی آئمہ

معصومین علیہم السلام سیاسی اقتدار اور حکومت کے بغیر دین کی حفاظت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

اسی طرح آپ علماء کے کردار پر آجائیں: کتب اربعہ کے مؤلفین نے کتب اربعہ لکھ کر دین کی حفاظت نہیں کی؟ علامہ حلی، علامہ مجلسی، محسن فیض کاشانی، ہندوستان کے میر حامد حسین رضوی صاحب عبقات الانوار اور دیگر بہت سے علماء و محققین نے اپنی تالیفات کے ذریعے دین اور مذہب کی حفاظت نہیں کی؟ یہ اور ان جیسے بہت سے دوسرے علمائے دین کی خدمات پر نظر ڈالیں تو صاف نظر آئے گا کہ انہوں نے دین اور مذہب کی بہترین حفاظت کی ہے۔ کیا ان سب کے پاس حکومت اور اقتدار کی طاقت تھی؟

لہٰذا دین کی حفاظت کے لیئے سیاسی اقتدار اور حکومت کو ضروری سمجھنا اور اس حدیث سے اس پر استدلال کرنا ایک لغو استدلال ہے اور اس قسم کا استدلال کرنے والوں کے ضعف فقاہت کی دلیل ہے۔

پانچویں دلیل:

ابو خدیجہ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے اپنے اصحاب کی طرف بھیجا کہ انہیں یہ پیغام دوں کہ:

ایاکم اذا وقعت بینکم خصومة او تداری بینکم فی شیء من الاخذ والعطاء ان تتحاکموا
الیٰ احد من ھٰؤلآء الفساق اجعلوا بینکم رجلا ممن قد عرف حلالنا و حرامنا فانی قد جعلته قاضیا
و ایاکم ان یخاصم بعضکم بعضا الی السلطان الجائر۔

ترجمہ: جب تمہارے درمیان کوئی جھگڑا ہو جائے یا کسی لین دین میں کوئی اختلاف ہو جائے تو خبردار ان فاسقوں میں سے کسی سے فیصلہ کروانے نہ جانا، اپنے میں سے کسی شخص کو جو ہمارے حلال وحرام سے آگاہی رکھتا ہو ثالث بنالو، بے شک میں نے اسے قاضی مقرر کیا ہے، اور خبردار آپس کے جھگڑے ظالم حکمرانوں کے پاس نہ لے جاؤ۔ (تہذیب الاحکام 303:6)

اس حدیث سے بھی زیادہ سے زیادہ وہی بات ثابت ہوتی ہے جو مقبولہ عمر ابن حنظلہ سے ثابت ہوتی ہے کہ امام معصوم کی موجودگی میں جو بھی ان کی مرضی اور اجازت کے بغیر حاکم یا قاضی بنے گا وہ طاغوت، ظالم اور فاسق ہوگا۔ اس کا انکار واجب اور اس کی عدالت میں جانا حرام ہوگا۔ لیکن دور حاضر میں جب کہ امام معصوم پردہ غیبت میں ہیں، اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ہوسکتا ہے اس روایت کے ان الفاظ سے استدلال کیا جائے کہ اس روایت میں فاسق اور ظالم کی عدالت میں جانے سے منع کیا گیا ہے خواہ وہ زمانہ حضور امام میں ہو یا زمانہ غیبت میں۔ اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اگر زمانہ غیبت میں جائز قانونی طریقے سے قائم ہونے والی حکومت کی عدالتیں عدل وانصاف فراہم کررہی ہوں، تو اس پر اس روایت کا اطلاق نہیں ہوگا۔ سب سے اہم یہ کہ جب فاسق اور ظالم کی عدالت کی طرف رجوع کرنے سے منع کیا جارہا ہے تو اس میں ہر فاسق اور ظالم آجاتا ہے خواہ وہ کوٹ پتلون اور ٹائی میں ہو یا عبا قبا وعمامہ میں۔ اب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ امام علیہ السلام یہ فرمائیں کہ اگر فاسق اور ظالم قاضی نے کوٹ پتلون اور ٹائی پہنی ہوئی تو اس کی عدالت میں نہ جاؤ لیکن عمامہ وعبا قبا میں ملبوس ہو اور اس کا پیٹ مال امام سے بھرا ہوا ہو تو اس کی عدالت میں چلے جاؤ۔ الملك یبقیٰ مع الکفر ولا یبقی مع الظلم (حکومت کفر کے ساتھ باقی رہ سکتی ہے مگر ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی) سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ لوگوں کو عدل وانصاف فراہم کرنے والی کافر حکومت فقیہ کی اس حکومت سے بہتر ہے جس میں لوگوں کو عدل وانصاف نہ ملے۔

چھٹی دلیل:

مجاری الامور والاحکام علیٰ ایدی العلماء باللّٰہ الامناء علیٰ حلالہ وحرامۃ

ترجمہ: امور اور احکام کا نفاذ اور اجراء علماء کے ہاتھ میں ہے جو اللہ کی معرفت رکھتے ہوں

اور اس کے حلال وحرام کے امین ہوں۔ (بحارالانوار جلد 97 صفحہ 80)

یہ جملہ امام حسین علیہ السلام سے منقول ایک طویل روایت کا اقتباس ہے۔ ولایت فقیہ بمعنی حاکمیت فقیہ کے طرفدار اس حدیث سے اس طرح

استدلال کرتے ہیں کہ امور کا نفاذ اور اجراء علماء کے ہاتھ میں ہے۔ اور چونکہ امور کا نفاذ اور اجراء حکومت کے بغیر ممکن نہیں ہے لہٰذا لازمی ہے کہ حکومت علماء کے ہاتھ میں ہوتا کہ وہ امور کا نفاذ اور اجراء کر سکیں۔

یہ استدلال چند لحاظ سے غلط ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ اس حدیث میں لفظ علماء استعمال ہوا ہے جبکہ اس سے ولایت فقیہ پر استدلال کرنے والے یہاں علماء سے مجتہدین مراد لیتے ہیں۔ علماء کا لفظ عام ہے اس میں مجتہد اور غیر مجتہد دونوں آجاتے ہیں، مولوی اور غیر مولوی دونوں آجاتے ہیں۔ ہمارے ہاں یہ بھی ایک غلط تصور بن گیا ہے کہ علماء سے مراد صرف مولوی صاحبان ہیں۔ ہم ہر معاشرے میں ایسے بہت سے افراد کو دیکھ سکتے ہیں جو مولوی نہیں ہیں لیکن علم اور تقویٰ اور حلال وحرام کی پابندی میں بہت سے مولوی صاحبان اور مجتہدین سے بھی بہتر اور برتر ہوتے ہیں۔ یہ حدیث صرف یہ کہہ رہی ہے کہ معاشرے کے امور جاہل اور بے ایمان افراد کے ہاتھ میں نہیں ہونے چاہیئیں بلکہ ایماندار اور صاحب علم افراد کے ہاتھ میں ہونے چاہیئیں جو اللہ کے حلال وحرام کے بارے میں امانت دارانہ رویہ رکھتے ہوں۔ اس حدیث کے مطابق مملکت کے دفاعی امور، دفاعی امور کے ماہرین کے ہاتھ میں ہونے چاہیئیں جو اپنی زندگی اور اپنے شعبے کے مخصوص حلال وحرام کا علم رکھتے ہوں اور ایمانداری سے عمل کرتے ہوں۔ کیا اس روایت کا یہ مطلب لیا جاسکتا ہے کہ دفاعی امور مولوی صاحبان اور مجتہدین کے حوالے کر دیئے جائیں۔

اسی طرح اقتصادی امور، اقتصادیات کا علم رکھنے والے ماہرین کے ہاتھ میں ہونے چاہیئیں جو اپنی زندگی میں اور اپنے مخصوص پیشہ ورانہ شعبے میں حرام وحلال کا علم رکھتے ہوں اور ایمانداری سے عمل کرتے ہوں۔ اس کے یہ معنی کہاں سے آگئے کہ ملک کے اقتصادی امور مجتہدین کے ہاتھ میں دے دینے چاہیئیں جنہیں جدید اقتصادیات کی الف بے بھی نہیں آتی۔

اسی طرح اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صحت کے معاملات ماہرین طب کے ہاتھ میں ہوں، جو اپنی عام زندگی میں اور اپنے مخصوص پیشہ وارانہ شعبے میں حلال وحرام کا علم رکھتے ہوں اور ایمان سے عمل کرتے ہوں۔ اس کے یہ معنی کہاں سے آگئے کہ صحت کا شعبہ مجتہدین کے حوالے کر دیا جائے۔

مختصر یہ کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ قومی اور اجتماعی زندگی کے مختلف شعبوں کے امور ان امور کے ماہرین کے ہاتھ میں ہونے چاہیئیں جو

اپنی معمول کی زندگی اور اپنے مخصوص پیشہ وارانہ شعبہ میں اللہ کے احکام کا علم رکھتے ہوں، اور ایمانداری سے عمل کرتے ہوں۔اس حدیث سے یہ بات کسی طرح ثابت نہیں ہوتی کہ اقتدار ملاؤں کے ہاتھ میں دے دو اور پھر ان کو اور ان کی حکومت کو مقدس گائے بنا کر اس کی پرستش شروع کردو اور ان کے لیئے لبیک لبیک کے نعرے لگانے شروع کردو اور جو اِن سے اختلاف کرے یا ان کی کسی غلط پالیسی پر تنقید کرے اسے سب بنیادی انسانی حقوق سے محروم کردو۔

اس حدیث میں بیان شدہ لفظ علماء کو مولوی اور وہ بھی مجتہد مولوی میں محدود کرنا بذات خود جہالت ہے اور خلاف امانت ہے۔بفرض محال ایک منٹ کے لیئے مان لیتے ہیں کہ اس سے مراد مولوی صاحبان اور فقہاء و مجتہدین ہی ہیں تو پاکستان جیسے معاشرے میں جہاں بہت سے فرقے پائے جاتے ہیں اور ہر فرقے کے اندر پھر ذیلی فرقے ہیں، کس فرقے اور کس دھڑے کے مولوی صاحبان مراد لیئے جائیں گے؟

ساتویں دلیل:

اما الحوادث الواقعة فارجعو افیھا الی رواۃ احادیثنا فانھم حجتی علیکم و انا حجت اللہ

ترجمہ: جہاں تک نئے پیش آنے والے واقعات کا تعلق ہے ان میں ہماری احادیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو،

وہ تم پر میری حجت ہیں اور میں اللہ کی حجت ہوں۔

استدلال یہ ہے کہ چونکہ امام علیہ السلام نے راویان حدیث کو اپنی حجت قرار دے کر ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ ان کے پاس اقتدار کا ہونا ضروری ہے۔اقتدار کے بغیر کوئی حجت کیسے ہوسکتا ہے؟ کوئی ان ''عقلمندوں'' سے پوچھے کہ اللہ تعالیٰ کے سب انبیاء اللہ کی مخلوق پر اللہ کی حجت تھے۔کیا ان سب کے پاس اقتدار تھا؟ کیا اقتدار کے بغیر وہ حجت نہیں تھے؟ آئمہ معصومین علیہم السلام اللہ کی حجت تھے۔کیا ان سب کے پاس اقتدار تھا؟ وہ اقتدار کے بغیر بھی، بلکہ زندان اور نظر بندی کی حالت میں بھی حجت تھے، بلکہ اپنی شہادت کے بعد بھی حجت ہیں۔کیا مولا علی علیہ السلام اور دیگر آئمہ معصومین علیہم السلام آج کے مومنین پر حجت نہیں ہیں؟ پس حجت ہونے کا اقتدار اور حکومت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس حدیث میں حوادث واقعہ کی بات ہو رہی ہے۔حوادث حادثہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں کوئی بھی نئی چیز یا نئی بات۔واقعہ کسی بھی وقوع پذیر اور رونما ہونے والی چیز کو کہا جاتا ہے۔پس حوادث واقعہ سے مراد نئے پیش آنے والے حالات و واقعات ہیں۔اس حدیث میں یہ حکم دیا جارہا ہے کہ زمانہ غیبت میں پیش آنے والے نئے مسائل، نئے حالات و واقعات میں شریعت کے مطابق عمل کرنے کے لیئے،شرعی حکم جاننے کے لیئے، ہماری احادیث کے علماء کی طرف رجوع کرو اور ان سے شرعی حکم معلوم کر کے اس کے مطابق عمل کرو۔ ہمارے دور میں حوادث واقعہ سے مراد اعضاء کی پیوند کاری، بنکنگ، انشورنس، کار اور گھر کے لیئے بنکوں کی فنانسنگ سکیمیں، رؤیت ہلال کے حوالے سے سائنس دانوں کی پیشین گوئی اور ان جیسے دیگر بہت سے فرعی مسائل ہو سکتے ہیں۔غیر اسلامی ممالک میں رہنے والے مومنین کے لیئے ایسے مسائل اور بھی زیادہ ہو سکتے ہیں۔اس حدیث میں حکم دیا جارہا ہے کہ نئے پیش آنے والے مسائل میں اندھا دھند اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق عمل نہیں کرنا بلکہ احکام شرعی کے مطابق عمل کرنا ہے اور شرعی حکم کا علم حاصل کرنے کے لیئے احادیث آئمہ کے علماء کی طرف رجوع کرو، ان سے ان مسائل کے حکمِ شرعی کا علم حاصل کر کے اس کے مطابق عمل کرو۔اس سے یہ بات کہاں سے نکلتی ہے کہ اقتدار فقہاء کے حوالے کر دو۔ ہندوستان، پاکستان، امریکا، برطانیہ، کینیڈا، آسٹریلیا میں کسی شیعہ مسلمان کو کوئی نیا مسئلہ پیش آجائے جس کے بارے میں وہ شرعی حکم سے ناواقف ہے تو اس کا حل کیا ہے؟ علوم آل محمد کے جاننے والے کسی عالم کی طرف رجوع کر کے حکم شرعی معلوم کر کے اس کے مطابق عمل کرنا یا ان ممالک میں فقیہ کی حکومت قائم کرنے کی تحریک چلانا؟ مزید یہ اگر کسی ملک میں فقیہ کی حکومت قائم ہو جائے تو کیا اس ملک کے عوام کو نئے پیش آنے والے مسائل میں علماء وفقہاء کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی یا اس ملک میں نئے مسائل پیش آنا بند ہو جائیں گے؟ اس حدیث کا حکومت اور سیاسی اقتدار سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

یہاں ایک اور بات بھی بہت قابل غور ہے: جو علماء وفقہاء اس حدیث سے ولایت فقیہ پر استدلال کرتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ اگر آپ واقعی عادل اور امین ہیں تو اسی حدیث میں آگے چل کر خمس کا جو حکم بیان ہوا ہے، اس کو بھی اسی جوش و جذبے کے ساتھ عوام کے سامنے بیان کریں۔ یہ بڑی عجیب قسم کی "ایمانداری" ہے کہ جب تقلید اور ولایت فقیہ کی بات ہوتی ہے تو علماء وفقہاء اس حدیث سے چپک جاتے ہیں اور جب اسی حدیث کے اگلے

حصے سے یہ بات بیان کی جاتی ہے کہ حضرت حجت علیہ السلام نے اپنے زمانہ غیبت میں خمس کی ادائیگی معاف کردی ہے تو یا کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے یا پھر عجیب وغریب قسم کی آئیں بائیں شائیں کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ یہ حدیث ایسی حدیث ہے جو حضرت حجت علیہ السلام نے تحریری شکل میں بیان فرمائی ہے۔ جو حدیث کسی امام معصوم نے زبانی بیان فرمائی ہو اس کے بارے میں تو یہ امکان ہوسکتا ہے کہ راوی نے بھول چوک سے کچھ احادیث کو آپس میں خلط ملط کردیا ہو اور کسی ضعیف حدیث کا کوئی حصہ کسی صحیح حدیث کے ساتھ مخلوط ہو گیا ہو۔ لیکن جو حکم امام معصوم علیہ السلام نے تحریری طور پر بیان فرمایا ہو اور اس پر دستخط کر کے اس پر مہر مبارک بھی لگادی ہو اس کے بارے میں یہ بات خارج از امکان ہے۔

اس حدیث پر ہم اپنی کتاب ''تحقیق مسائل تقلید'' میں تفصیل سے بات کر چکے ہیں۔ تفصیل جاننے کے خواہشمند مومنین ومومنات وہاں رجوع فرمائیں۔ نیز ''نائب امام کون؟'' کے عنوان سے ایک مختصر مضمون میں بھی حجت کے مفہوم پر سیر حاصل گفتگو کی ہے جو اس کتابچہ کے آخر میں دیا گیا ہے۔

یہاں یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ امام علیہ السلام نے یہ ہدایت نامہ زمانہ غیبت صغریٰ میں صادر فرمایا تھا۔ اب کیا یہ بات قابل تصور ہے کہ امام علیہ السلام اپنے شیعوں کو یہ فرمارہے ہوں کہ جو نظام مولا علی علیہ السلام سے لے کر امام حسن عسکری علیہ السلام تک گیارہ معصوم امام قائم نہیں کر سکے، جو نظام میں خود قائم نہیں کرسکا بلکہ دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لیئے اللہ کے حکم سے غیبت صغریٰ میں ہوں جو کچھ عرصہ کے بعد غیبت کبریٰ میں تبدیل ہونے والی ہے، لیکن میری غیبت میں تم اور مولوی صاحبان مل کر وہ نظام قائم کرلینا۔۔۔۔ یعنی جو کام سوا تین سو سال میں ہم سب معصومین سے نہیں ہوا وہ تم اور مولوی صاحبان مل کر کرلینا۔

(**نوٹ:** حضرت حجت علیہ السلام کی غیبت کبریٰ کا آغاز 329 ہجری میں ہوا جو تا حال جاری ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی جاری رہے گی۔ ہجرت نبوی کے بعد کے اس 329 سالہ دور میں دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت، پونے پانچ سال مولا علی علیہ السلام اور چھ ماہ امام حسن علیہ السلام کی حکومت رہی۔ یہ کل ملاکر پندرہ سال اور تین ماہ کا عرصہ بنتا ہے۔ 329 سالوں میں سے یہ پندرہ سال نکال لیں تو باقی عرصہ یعنی 314 سال پہلے تین خلفاء، اس کے بعد بنوامیہ اور بنوعباس کی حکومت کا دور ہے۔ کیا یہ بات منطقی اور معقول ہے کہ امام زمانہ علیہ السلام اپنی غیب صغریٰ کے آخری

سالوں میں اور غیبت کبریٰ کے آغاز سے چند سال پہلے اپنے شیعوں کو یہ ہدایت دے رہے ہوں کہ جو کام ہم سب معصومین نہیں کر سکے وہ تم اور مولوی صاحبان کر لینا، نہ صرف کر لینا بلکہ ایسا کرنا تم پر واجب ہے۔)

قارئین محترم ! یہ ہیں وہ احادیث جن سے ولایت فقیہ بمعنی حاکمیت فقیہ کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہی وہ احادیث ہیں جن کے بارے میں ہم کتاب کے ابتداء میں شیخ مرتضیٰ انصاری، آیت اللہ العظمیٰ سید احمد خوانساری، آیت اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم خوئی اور آیت اللہ العظمیٰ شیخ محمد علی اراکی (رحمت اللہ علیہم) کے بیانات نقل کر چکے ہیں کہ ان سے ولایت فقیہ بمعنی حاکمیت فقیہ ثابت نہیں ہوتی۔ لیکن آیت اللہ خمینیؒ کا اصرار ہے کہ ان روایات کی رو سے فقیہ کو وہی ولایت حاصل ہے جو امام معصوم علیہ السلام کو حاصل ہے۔ ان کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

"اگر فرد لائقی کہ دارای این دو خصلت باشد بپا خواست و تشکیل حکومت داد همان ولایتی را کہ حضرت رسول اکرم (ص) در ادارہ جامعہ داشت دارا می باشد و بر همه لازم است از او اطاعت کنند"۔ (ولایت فقیہ صفحہ 50)

ترجمہ: اگر کوئی ایسا لائق شخص جس میں یہ دو صفات پائی جائیں (یعنی اسلامی قانون کا علم رکھتا ہو اور عادل ہو) اور وہ حکومت قائم کر لے تو اسے وہی ولایت حاصل ہوگی جو معاشرے کے امور کو چلانے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل تھی اور اس کی اطاعت سب پر لازم ہوگی۔

لیکن یہاں ایک اہم سوال سامنے آتا ہے جس کا جواب دینا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ جو ولایت معصوم کو عصمت کی وجہ سے حاصل ہے وہ ولایت کسی غیر معصوم کو کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ اس لیئے کہ جو ولایت باپ کو باپ ہونے کی حیثیت سے اولاد پر حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لیئے کہ وہ ولایت باپ ہونے کی بنیاد پر ہے۔ اسی طرح جو ولایت ایک فقیہ کو غیر فقیہ پر حاصل ہے وہ غیر فقیہ کو حاصل نہیں ہو سکتی ہے، اس لیئے کہ وہ ولایت، فقیہ ہونے کی بنیاد پر حاصل ہے۔ بالکل اسی طرح جو ولایت معصوم کو غیر معصوم پر حاصل ہے وہ ولایت کسی غیر معصوم کو حاصل نہیں ہو سکتی اس لیئے کہ اس ولایت کی بنیاد عصمت ہے۔ بالفاظ دیگر اگر غیر فقیہ کو وہ ولایت حاصل نہیں ہے جو فقیہ ہونے کی وجہ سے فقیہ کو حاصل ہے تو غیر معصوم ہوتے ہوئے فقیہ کو وہ ولایت اور اختیارات کیسے حاصل ہو سکتے ہیں جو عصمت کی وجہ سے معصوم کو حاصل ہوتے ہیں۔

آیت اللہ خمینی رحمۃ اللہ علیہ خلفاء کی تعریف کرتے ہوئے :

آیت اللہ خمینیؒ شاہِ ایران کوایک ظالم اور جابر حکمران اوراس کی حکومت کوغیر اسلامی حکومت قرار دے کراس کے خلاف تحریک چلا رہے تھے ۔شاہ کی ظالم اور جابر حکومت اور عالم اسلام کے دیگر ممالک پر حاکم ظالم وجابر حکومتوں کوگرانے اور اسلامی نظام اور اسلامی حکومت قائم کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے آیت اللہ خمینیؒ نے خلفاء کی بھی تعریف فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"وظیفه ماست که این مطالب را تذکر بدہیم، طرز حکومت اسلامی و روش زمام داران اسلام را در صدر اسلام بیان کنیم، بگوئیم که دار الاماره و دکة القضای (وزارت دادگستری) اودر گوشه مسجد قرار داشت، و دامنه حکومتش تا انتهای ایران و مصر و حجاز و یمن گسترش داشت۔ متاسفانه وقتی حکومت به طبقات بعدی رسید طرز حکومت تبدیل به سلطنت و بدتر از سلطنت شد"۔ (ولایت فقیہ صفحہ 131)

ترجمہ: یہ ہمارا فریضہ ہے کہ ان باتوں کی یاددہانی کرائیں، صدر اسلام میں اسلامی حکومت اور اسلام کے حکمرانوں کے طرز حکومت کو بیان کریں، لوگوں کو بتائیں کہ اس کا دارالامارہ اور دکۃ القضا (وزارت عدل وانصاف) مسجد کے ایک کونے میں ہوتے تھے، اوراس کی حکومت ایران، مصر، حجاز اوریمن تک پھیلی ہوئی تھی۔ بدقسمتی سے جب حکومت بعدوالے طبقات کومنتقل ہوئی تو بادشاہت اور بادشاہت سے بدتر نظام میں تبدیل ہوگئی۔

مومنین کرام ذرا خودسوچیں کہ آیت اللہ خمینیؒ صدر اسلام کے کن حکمرانوں کی تعریف میں یہ کلمات بیان فرمارہے ہیں؟ صدر اسلام کے کن حکمرانوں کی حکومت کواسلامی حکومت قرار دے کران کے طرز حکومت کے قصیدے پڑھ رہے ہیں اوران کے طرز حکومت کومسلمانوں کے لیئے بیان کرنے کی ضرورت پر زور دے رہے ہیں؟ یہ حکمران شیعہ عقیدہ کے مطابق واقعی جائز اورصحیح اسلامی حکمران تھے؟ کیا شیعہ عقیدہ کے مطابق ان حکمرانوں کا طرز حکومت اسلام کے عدل وانصاف کے اعلیٰ ترین اصولوں کے مطابق تھا؟ کیا یہ اسی عقیدے کی صدائے بازگشت نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد جوحکمران برسراقتدار آئے وہ عادل اور جائز حکمران تھے لیکن بعد میں ظالمانہ موروثی بادشاہت قائم ہوگئی۔

آیت اللہ خمینیؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ہر روز نماز فجر کے بعد زیارت عاشوراء پڑھا کرتے تھے۔ زیارات عاشوراء میں آل محمد پر ظلم کی بنیاد رکھنے والے جن حکمرانوں کا ذکر ہے، وہ کون تھے؟ ایک طرف سے ہر صبح نماز فجر کے بعد زیارت عاشوراء پڑھنا اور ظالم حکمرانوں سے تبرا کرنا اور دوسری طرف ان حکمرانوں کو صدر اسلام کے عادل حکمران کہہ کر ان کے طرز حکمرانی کو عوام کے لیئے بیان کرنے کی ضرورت پر زور دینا۔۔۔کیسا عجیب اور کھلا ہوا تضاد ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اب ممکن ہے کوئی سوال کر دے کہ اگر کسی ملک کے لوگ اپنی جانوں کے نذرانے دے کر علماء وفقہاء کو برسر اقتدار لے آئیں اور ان کی حکومت واقتدار کو تسلیم کر لیں تو آپ کو کیا اعتراض ہے؟

جواب: ہمیں بالکل کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہم صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ جن دلائل سے اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ حکومت اور اقتدار مولوی صاحبان ہی کا حق ہے، ان سے یہ مدعا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ اس سے ہٹ کر کوئی بھی قوم جس کسی کو چاہے اپنا حاکم بنا لے یہ اس قوم کا جمہوری حق اور اس کا اندرونی معاملہ ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اگر کسی شیعہ اکثریت کے ملک کے لوگ اپنے معاشرے میں فقیہ کی حمایت کر کے اس کی حکومت قائم کر لیں تو اس فقیہ کی حکومت اسی ملک تک محدود ہوگی جس کے عوام نے اسے اپنا ولی اور حاکم بنایا ہے۔ اس ملک سے باہر کسی دوسرے ملک پر اس کی کوئی ولایت وحاکمیت نہیں ہوگی۔ اس موضوع سے متعلق راقم نے 25 مارچ 2012 ایران کے ولی فقیہ آیت اللہ سید علی خامنہ ای کو ولایت فقیہ کے بارے میں چھ سوال بھیجے گئے تھے جن کا انہوں نے جواب نہیں دیا۔ یہ چھ سوال ایک الگ پمفلٹ کی صورت میں موجود ہیں۔

پاکستان جیسا ملک جس میں شیعہ آبادی بمشکل دس فیصد ہے اس میں پاکستان کے شیعہ عوام کے لیئے ولایت فقیہ قائم کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں کسی بھی قسم کے مذہبی طبقے اور مولوی صاحبان کی حکومت قائم نہیں ہوسکتی اور نہ ہی ہونی چاہیے۔ اس لیئے کہ جتنی

جماعتیں بھی یہاں اسلام کے نام پر اقتدار حاصل کرنے کے لیئے ہاتھ پاؤں مار رہی ہیں وہ سب فرقہ وارانہ جماعتیں ہیں، ان سب کا تعلق کسی نہ کسی فرقے سے ہے اور وہ اسلام کی بالا دستی کی بجائے اپنے فرقہ کی بالا دستی پر یقین رکھتی ہیں۔ فرقہ واریت میں گرفتار مولوی صاحبان نہ خلفائے رسول ہیں اور نہ ہی رسولوں کے امین۔ اگر ان میں سے کسی کی حکومت قائم ہونے کا کوئی امکان پیدا بھی ہو جائے تو دوسری اقتدار پرست مذہبی سیاسی جماعتیں ایسا نہیں ہونے دیں گی اس لیئے کہ کسی اور مذہبی گروہ کی بالا دستی کو قبول کرنا ان کے لیئے ممکن ہی نہیں ہے۔ پاکستان کے عوام، خواہ ان کا تعلق کسی بھی فرقے، صوبے، یا لسانی گروہ سے ہو، اپنے سیاسی شعور کو بیدار کریں اور جمہوری طریقے سے پاکستان کے آئین کے مطابق ایسی لبرل سیکولر جمہوری حکومت قائم کریں جس کی نظر میں سب پاکستانی برابر ہوں، جو بلا تفریق مذہب و فرقہ ہر شہری کے حقوق کی حفاظت کرنے کی ذمہ دار ہو۔ پاکستان کے سیاسی عدم استحکام کا یہی حل ہے۔ یہاں کوئی نظام خلافت، نظام ولایت یا کوئی اور ''اسلامی نظام'' قائم نہیں ہو سکتا ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان سے مسائل کا خاتمہ کرنے کے لیئے حکومت و اقتدار ملاؤں کے حوالے کر دیا جائے وہ یا جاہل ہیں یا فریب کار۔

☆☆☆

قارئین محترم یہ تھا ولایت فقیہ بمعنی حاکمیت فقیہ کے دلائل کا ایک جائزہ جس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان روایات سے کسی بھی طور پر مُلاؤں کے اقتدار کا کوئی نام و نشان تک نہیں ملتا۔ جیسا کہ ہم تمہید میں بیان کر چکے ہیں کہ ان روایات سے ولایت فقیہ بمعنی فقیہ کی بے قید و شرط حاکمیت ثابت کرنا شیعہ اجتہاد کی تاریخ کی سب سے بڑی اجتہادی غلطی ہے۔ ان احادیث سے ولایت فقیہ بمعنی حکومت فقیہ ثابت کرنے والوں کی حدیث فہمی اور ان کی صلاحیت اجتہاد کے سامنے بھی سوالیہ نشان کھڑا ہو جاتا ہے۔

کچھ اور دلیل نما مغالطے:

1۔ بعض اوقات ان روایات سے ہٹ کر کچھ اور دلائل بھی دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ آیا حاکم کے لیئے ضروری نہیں کہ وہ اللہ کے احکام کے مطابق حکومت کرے؟ اگر ضروری ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کرنا علماء کا حق ہے اسی لیئے کہ وہ اللہ کے احکام کا علم رکھتے ہیں۔

اس قسم کی باتیں دلائل نہیں بلکہ درحقیقت فریب کاری اور گمراہ کن مغالطہ انگیزی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہیں۔ اگر کسی ملک میں کوئی آئین اور پارلیمان نہ ہو اور وہاں کسی بادشاہ کی شخصی حکومت قائم ہو، وہاں تو یہ بات کہنے کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے کہ بادشاہ اور حاکم جو کسی آئین وقانون کا پابند نہیں ہے اور کسی پارلیمان یا عدلیہ کے سامنے جواب دہ نہیں ہے، بلکہ جو وہ کہتا ہے وہی حکم اور قانون ہے لہٰذا حاکم کے لیئے احکام خدا کا عالم ہونا اور عملی طور پر متقی ہونا ضروری ہے۔ لیکن جہاں شخصی حکومت نہ ہو، بلکہ جمہوریت ہو، تحریری شکل میں آئین بھی موجود ہو، پارلیمان اور آزاد و بااختیار عدلیہ بھی موجود ہو، ایک آئینی سسٹم کام کررہا ہو، ہاں یہ بات بے معنی ہوجاتی ہے۔ یہ استدلال کچھ ایسا ہی ہے کہ کسی ملک کے وکلاء اور قانون دان حضرات یہ کہنا شروع کردیں کہ ملک کا نظام قانون کے مطابق چلنا چاہیے اور چونکہ ہم قانون دان ہیں لہٰذا حکومت کرنا ہمارا حق ہے۔ دنیا کے ہر مہذب معاشرے میں اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ حکومت قانون کے مطابق ہونی چاہیے لیکن اس کے باوجود کہیں کوئی یہ نہیں کہتا کہ حکمران کے لیئے ضروری ہے کہ اس نے قانون کی تعلیم حاصل کی ہو اور اس میں ڈگری لے رکھی ہو اور آئین وقانون کا اعلیٰ درجے کا ماہر ہو۔ دنیا میں کتنے ایسے ممالک ہیں جن کے حکمران نے قانون کی تعلیم حاصل کررکھی ہو اور قانون میں اعلیٰ ترین ڈگری رکھتا ہو۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر اس استدلال کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس سے اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ حکمران کے لیئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے احکام کے مطابق حکومت کرے۔ اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ وہ مولوی اور مجتہد بھی ہو۔ یہ بات صرف حکومت تک نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے کے لیئے ہے کہ انسان جس بھی شعبے میں ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرے۔ انسان اپنے خاندان کا سربراہ ہو، شوہر ہو، بیوی ہو، باپ ہو، بیٹا ہو، تاجر ہو، خریدار ہو، مزدور ہو، آجر ہو، سرمایہ دار ہو، جو کچھ بھی اس کے لیئے لازم کے کہ وہ اپنے شعبے میں اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرے۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ ضرور مولوی اور مجتہد بھی ہو؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ گھر کا نظام اللہ کے قانون کے مطابق چلنا چاہیے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر گھر کا سربراہ مجتہد ہو؟ چونکہ ہر گھر کا سربراہ مجتہد نہیں ہوتا تو کیا یہ فتویٰ دیا جاسکتا ہے کہ جن خاندانوں کے سربراہ مجتہد نہیں ہیں وہ خاندان کی سربراہی سے معزول ہیں اور ان پر واجب ہے کہ کسی مجتہد یا اس کے نمائندے کو اپنے گھر کا سربراہ بنائیں۔

بالکل یہی بات حکومت کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے کہ حکمران کا فرض ہے کہ اسلامی احکام کے مطابق حکومت چلائے۔ اس کے یہ معنی ہر گز نہیں ہیں کہ وہ مولوی اور مجتہد ہو۔

2۔ ولایت فقیہ بمعنی حاکمیت فقیہ کے بعض طرفداروں کی طرف سے اس قسم کے استدلال بھی سنے گئے ہیں کہ اگر ولایت فقیہ نہ ہو تو کیا ہمارے ملک پر فاسقوں اور جاہلوں کی حکومت ہونی چاہیے؟ یہ بات بھی محض گمراہ کن مغالطہ ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اس استدلال کی رو سے گویا معاشرے میں موجود انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں: فقیہ اور جاہل فاسق۔ اب اگر فقیہ کی حکومت نہیں ہوگی تو لامحالہ فاسق جاہلوں کی حکومت ہوگی۔ چونکہ جاہل فاسقوں کی حکومت نہیں ہونی چاہیے لہٰذا ثابت ہوا کہ فقیہ کی حکومت ضروری ہے۔

سوال یہ ہے کہ جو لوگ فقیہ یعنی مجتہد نہیں ہیں کیا وہ سب کے سب جاہل اور فاسق ہیں؟ آپ مجتہد نہیں ہیں تو کیا آپ جاہل اور فاسق ہیں؟ پیش نماز کے لیئے عادل ہونا ضروری ہے۔ کیا ایران، عراق، پاکستان، ہندوستان اور دنیا کے دیگر علاقوں کی شیعہ مساجد کے سب پیش نماز مجتہد اور فقیہ ہیں؟ اگر یہ سب پیش نماز فقیہ اور مجتہد نہیں ہیں تو کیا ان سب کو بیک قلم جاہل اور فاسق کہا جا سکتا ہے؟ ان سب پیش نمازوں کا اور ان کے مقتدیوں کیا بنے گا جو فقیہ اور مجتہد نہیں ہیں؟

دوسری طرف سے یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ بہت سے غیر مولوی حضرات بہت سے مولوی صاحبان سے زیادہ صاحب علم اور صاحب تقویٰ ہوتے ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حکومت باتقویٰ اور صاحب علم افراد کے ہاتھ میں ہونی چاہیے لیکن ضروری نہیں کہ وہ مولوی ہوں۔ بلکہ حالات و واقعات نے تو یہ ثابت کر دیا ہے کہ ضروری ہے کہ وہ مولوی نہ ہو۔ اس لیئے کہ مولوی صاحبان کی غالب اکثریت میں ایک خاص قسم کی تنگ نظری پائی جاتی ہے، ایک خاص قسم کا تعصب پایا جاتا ہے، جس کا نتیجہ اور اثر یہ ہوتا ہے کہ اقتدار مل جانے کی صورت میں وہ اور کچھ کر سکیں یا نہ کر سکیں، عدل نہیں کر سکتے۔

ایک مسلم معاشرے اور ملک کا نظم و نسق اور معاملات اسلام کے احکام کے مطابق ہونے چاہیئیں اس میں کوئی شک نہیں، لیکن اس کے لیئے

ملاؤں کی حکومت کا ہونا بالکل ضروری نہیں ہے۔ یہ کام ملاؤں کی حکومت کے بغیر زیادہ اچھی طرح ہوسکتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے ہمدانی سادات کے جد امجد میر سید علی ہمدانی رحمت اللہ علیہ نے مسلم حکمرانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیئے ایک کتاب تحریر فرمائی جس کا نام ہے" ذخیرۃ الملوک"، اگر مسلم ممالک کے حکمران اس کتاب میں بیان کیئے گئے اصولوں کے مطابق عمل کریں تو ان کا ملک اور معاشرہ ملاؤں کی حاکمیت اور ولایت مطلقہ کے بغیر بہترین اسلامی فلاحی مملکت بن جائے گا۔

3۔ ولایت فقیہ کے طرفدار، مومنین کو گمراہ کرنے کے لیئے ایک مغالطہ سے کام لیتے ہیں کہ شیعہ اور اہل سنت کے درمیان ایک بنیادی اختلاف یہ ہے کہ برادران اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو اپنا نائب اور جانشین مقرر نہیں کر کے گئے جب کہ شیعہ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نائب اور جانشین کا تقرر کر کے گئے ہیں، یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو حاکم اور سربراہ کے بغیر چھوڑ کر گئے ہوں۔

پس جس طرح یہ ممکن نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو حاکم اور رہبر کے بغیر چھوڑ کر جائیں اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ امام زمانہ علیہ السلام ملت کو حاکم اور رہبر کے بغیر چھوڑ کر جائیں۔ اگر یہ بات مان لی جائے کہ امام زمانہ علیہ السلام ملت کو حاکم اور رہبر کے بغیر چھوڑ کر گئے ہیں تو وہ سارے اعتراضات وارد ہوں گے جو رسول اللہ کی طرف سے امام اور جانشین مقرر نہ کرنے والے نظریہ پر وارد ہوتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ امام زمانہ علیہ السلام نائب اور جانشین کا تقرر کر کے گئے ہیں اور ان کے نائب فقہاء اور مجتہدین ہیں۔

بعض طرفدارانِ ولایت فقیہ اس حد تک جاتے ہوئے بھی دیکھے گئے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ سنی مسلمان کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی جانشین مقرر نہیں کیا تھا اور جو شیعہ اس بات کے قائل ہیں کہ امام زمانہ علیہ السلام نے کوئی جانشین مقرر نہیں فرمایا در حقیقت وہ بھی ایک طرح کے سنی ہیں۔

سادہ لوح اور کم علم یا بے علم افراد کے لیئے بظاہر یہ ایک بڑی مؤثر دلیل ہوسکتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دلیل سرے سے دلیل ہی نہیں ہے

بلکہ فریب کاری اور گمراہ کن مغالطہ ہے۔ اگر مندرجہ ذیل حقائق کو سامنے رکھا جائے تو اس مغالطہ کا پول روز روشن کی طرح کھل جاتا ہے:

1۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار نہیں بار بار، متعدد مقامات پر مختلف طریقوں سے اپنے بعد اپنے جانشین کے تقرر کا بھی اعلان کیا اور اپنے جانشین کا تعارف بھی کروادیا کہ میرے بعد حضرت علی علیہ السلام میرے خلیفہ، میرے جانشین اور امت کے امام ہوں گے۔ غدیر کے مقام پر ہزاروں صحابہ کے مجمع میں من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ کا اعلان اس کی سب سے بڑی مثال ہے۔ یہ حدیث ایک سو پچاس سے زائد طرق سے بیان ہوئی ہے جن میں سے اکثر یا تو صحیح کے درجہ پر ہیں یا حسن کے درجہ پر۔ اس حدیث کو اٹھانوے اصحاب رسول نے روایت کیا ہے۔ حدیث ثقلین کو لے لیں: کبھی انی تارك فیکم الثقلین (میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں)، کبھی انی تارك فیکم امرین (میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں) اور کبھی انی تارك فیکم خلیفتین (میں تمہارے درمیان دو خلیفے چھوڑ کر جا رہا ہوں) کے الفاظ سے یہ حدیث متعدد اسناد اور طرق سے روایت ہوئی ہے اور کسی کو اس میں کوئی کمزوری نکالنے کی جرات نہیں ہوئی۔ ایسے ہی اور بہت سے ارشادات نبوی ہیں جن کو کتب عقائد میں امامت کے ذیل میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اگر امام زمانہ علیہ السلام کی غیبت کبریٰ کے دور میں ولایت فقیہ کی بھی ایسی ہی ضرورت ہوتی جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ولایت علی (علیہ السلام) کی، تو امام زمانہ علیہ السلام ایسے ہی اہتمام کے ساتھ اس حقیقت کو واضح ترین الفاظ میں اس طرح بیان فرماتے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مولا علی علیہ السلام کی امامت اور ولایت کو بیان فرمایا۔ لیکن امام زمانہ علیہ السلام کی طرف سے ایک بھی ایسا فرمان موجود نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس یہ فرمان ضرور موجود ہے کہ زمانہ غیبت کبریٰ میں آپ کا کوئی نائب نہیں ہے۔

زمانہ غیبت صغریٰ میں حضرت امام زمانہ علیہ السلام نے اپنے چار نائب مقرر فرمائے۔ آپ کے پہلے نائب عثمان بن سعید عمری تھے، ان کے بعد ان کے بیٹے محمد بن عثمان بن سعید دوسرے نائب تھے جنہیں پہلے نائب نے امام زمانہ علیہ السلام کے حکم سے معین فرمایا۔ پھر دوسرے نائب نے اپنی وفات سے پہلے امام زمانہ علیہ السلام کی ہدایت پر جناب حسین بن روح کو اپنے بعد امام علیہ السلام کے تیسرے نائب طور پر مقرر فرمایا۔ انہوں نے اپنی

وفات سے پہلے امام زمانہ علیہ السلام کی ہدایت پر جناب علی بن محمد سمری کو چوتھا نائب مقرر کیا۔علی بن محمد سمری کی وفات سے چھ دن پہلے امام زمانہ علیہ السلام نے ان کو بتادیا کہ چھ دن کے بعد تمہاری وفات ہوجائے گی، تمہارے بعد میرا کوئی نائب نہیں ہوگا اور میری غیبت کبریٰ شروع ہوجائے گی۔

(مزید تفصیل کے لیئے ملاحظہ فرمائیں ہمارا مقالہ: " نائب امام کون؟" ، جسے اس رسالہ کے آخر پر شامل کیا جارہا ہے۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بار بار اپنے بعد کے لیئے اپنے جانشین کا اعلان فرماتے رہے، اور امام زمانہ علیہ السلام غیبت کبریٰ میں جانے سے پہلے چوتھے نائب کو یہ کہہ کر جارہے ہیں کہ تمہارے بعد میرا کوئی نائب نہیں ہوگا۔اس کے باوجود اگر کوئی یہ کہے کہ امام زمانہ علیہ السلام کی غیبت کے زمانے میں ولایت فقیہ اسی طرح سے ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ولایت علی علیہ السلام ہے، تو ظاہر سی بات ہے کہ وہ دھوکہ دہی اور فریب کاری کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زبان مبارک سے مولا علی علیہ السلام کی امامت وخلافت پر اس قدر زیادہ اور اس قدر روشن احادیث موجود ہیں جن کا انکار ممکن نہیں ہے۔سند کے لحاظ سے بھی یہ معتبر ترین احادیث کے زمرے میں آتی ہیں اور دلالت کے لحاظ سے بھی واضح ترین۔لیکن ولایت فقیہ پر استدلال کرنے والے جن روایات کو پیش کرتے ہیں وہ روایات سند کے لحاظ سے بھی ضعیف ہیں اور ولایت فقیہ بمعنی حکومت فقیہ پر دلالت بھی نہیں کرتی ہیں۔یعنی سند اور دلالت دونوں ضعیف ہیں۔قائلین ولایت فقیہ کھینچ کھانچ کر ان احادیث سے اپنے مطلب کی ولایت فقیہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن بات بنتی نہیں ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ ولایت فقیہ بمعنی حکومت فقیہ کا انکار کرنے والے ایک قسم کی سنی ہیں کیا وہ شیخ انصاری، آیت اللہ خوئی، آیت اللہ خوانساری، آیت اللہ محمد علی اراکی ، علامہ طباطبائی، آیت اللہ صادقی تہرانی رحمت اللہ علیہم اور شیعہ فقہاء کی اس اکثریت کو سنی کہنے کی جرئت کرسکتے ہیں جن کہ بارے میں آیت اللہ خوئی نے فرمایا کہ وہ ولایت فقیہ بمعنی حکومت فقیہ کے قائل نہیں ہیں؟

پاکستان کے مسائل اور مشکلات کا حل:

پاکستان کے مسائل اور مشکلات کا حل اور پاکستانی قوم کی فلاح و بہبود کے لیئے سب سے مناسب راستہ یہ ہے کہ یہاں آئین کی بالادستی قائم کی جائے، حکومت، اپوزیشن، عدلیہ، الیکشن کمیشن، انتظامیہ اور دیگر ادارے آئین کے مطابق کام کریں۔ یہی پاکستان کے مسائل کا حل ہے اور اس کے لیئے ضروری ہے پاکستان میں قانون کی پابندی کی روایت کو فروغ دیا جائے اور قانون شکنی کے رجحان کا خاتمہ کیا جائے۔ جس معاشرے میں لوگ قانون سے بالاتر ہونے کو اپنے معزز اور برتر ہونے کا معیار سمجھتے ہوں وہ معاشرہ کبھی ترقی نہیں کرسکتا۔

پاکستان میں رہنے والے سب لوگوں کو یہ بات واضح طور پر جان لینی چاہیے کہ پاکستان کا مستقبل صرف ایک چیز میں ہے:

آئین وقانون کی حاکمیت وبالادستی اور ایک دوسرے کے حقوق کا احترام

آخر میں سب پاکستانی بہن بھائیوں سے گزارش ہے کہ آپ کا تعلق کسی بھی فرقے سے ہو، یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ پاکستان میں اسلامی حکومت نام کی کوئی چیز قائم نہیں ہوسکتی۔ اس لیئے کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے نام پر اقتدار حاصل کرنے کے لیئے جتنی جماعتیں سرگرم عمل ہیں وہ سب کی سب فرقہ وارانہ جماعتیں ہیں، ان کا مقصد اپنے فرقے بلکہ اپنے دھڑے کی بالادستی قائم کرنا ہے۔ اسلام سے انہیں کوئی غرض نہ پہلے کبھی تھی، نہ آج ہے، نہ آئندہ کبھی ہوگی۔ یہاں نظام خلافت، نظام ولایت، نظام مصطفیٰ، نفاذ اسلام اور اس طرح کے جو بھی نعرے لگائے جاتے ہیں وہ سب کے سب صرف اور صرف جھوٹ اور فریب کاری ہیں اور ایسے نعرے لگا کر عوام کو دھوکا دینے والے صرف اور صرف منافق ہیں۔

☆☆☆

نائب امام کون؟

عام طور پر شیعہ عوام کے ذہنوں میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ مجتہد، خاص طور پر مرجع تقلید نائب امام ہوتا ہے۔اس طرح جو شخص کسی مجتہد کی تقلید کرر ہا ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ امام زمانہ (علیہ السلام) کے نائب کی پیروی کرر ہا ہے اوراس کی بات سے ذرا بھی ادھر ادھر ہونے کو امام زمانہ کی نافرمانی سمجھتا ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ نائب امام والی بات بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔اس تحریر میں ہم اس بات کا مختصر جائزہ لیں گے۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت 8 ربیع الاول 260 ہجری میں ہوئی۔اسی دن سے حضرت حجت امام زمان (عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف) کے دور امامت اور ان کی غیبت صغریٰ کا آغاز ہوگیا۔آپ اپنے دور امامت کے شروع سے ہی غیبت صغریٰ میں تھے۔بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امام زمانہ علیہ السلام کی ولادت کو اور ولادت کے بعد خود ان کو بھی پوشیدہ رکھا گیا،صرف چند انتہائی بااعتماد افراد کے سوا کوئی اس حقیقت سے باخبر نہیں تھا۔ لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام علیہ السلام سے متعلق سب معاملات غیبت صغریٰ کے مصداق ہیں۔لیکن بحیثیت امام آپ کی غیبت صغریٰ کا دور 8 ربیع الاول 260 ہجری سے شروع ہوا، 15 شعبان 329 ہجری تک جاری رہا۔یہ عرصہ 69 سال چار ماہ اور 8 دنوں پر مشتمل ہے۔اس عرصہ میں حضرت حجت علیہ السلام نے ایک کے بعد ایک، چار نائب مقرر فرمائے جو شیعہ عوام وخواص کے امام علیہ السلام سے رابطے کا کام کرتے تھے۔ان کے نام اور مدت نیابت کی تفصیل یہ ہے:

(1) عثمان بن سعید عمری۔یہ گیارہ سال کی عمر سے امام علی نقی علیہ السلام کے اصحاب کے زمرے میں داخل ہوئے۔امام حسن عسکری علیہ السلام کو بھی آپ پر بہت اعتماد تھا۔امام حسن عسکری علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے حضرت حجت علیہ السلام کی ولادت کو پوشیدہ رکھا تھا۔صرف چند خاص افراد تھے جنہیں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی زندگی میں حضرت حجت کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔عثمان بن سعید عمری ان میں سے ایک تھے اور انہیں کئی بار حضرت حجت کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ان کی تاریخ وفات کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

(2) محمد بن عثمان بن سعید عمری: جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے یہ حضرت حجت علیہ السلام کے پہلے نائب جناب عثمان بن سعید کے فرزند تھے۔ان کے والد کی وفات کے بعد حضرت حجت علیہ السلام نے انہیں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ان کی وفات 304 یا 305 ہجری میں ہوئی۔

(3) حسین بن روح: محمد بن عثمان بن سعید سمری کی وفات کے بعد حضرت حجت علیہ السلام نے حناب حسین بن روح کو جو علم اور تقویٰ میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے اپنا نائب مقرر فرمایا۔ان کی وفات 326 ہجری میں ہوئی۔

(4) علی بن محمد سمری: یہ حضرت حجت کے چوتھے اور آخری نائب تھے۔ان کی وفات 15 شعبان 329 ہجری میں ہوئی۔ان کی وفات سے چھ دن قبل امام علیہ السلام نے انہیں ان سے فرمایا کہ چھ دن بعد تمہاری وفات ہوجائے گی اور تم اپنے بعد کسی کو میرا نائب مقرر نہ کرنا کیونکہ تمہاری وفات کے ساتھ میری غیبت کبریٰ شروع ہوجائے گی اور جب اللہ کا حکم ہوگا میرا ظہور ہوگا۔

امام علیہ السلام کے ان چار نائبین کو نواب اربعہ کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں چار نائب۔ چوتھے نائب علی بن محمد سمری کی وفات کے دن سے،یعنی 15 شعبان 329 ہجری سے کوئی نائب امام نہیں ہے۔لہٰذا اگر کوئی نیابت امام کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا اور کذاب ہے اور اگر کوئی خود تو ایسا دعوی نہیں کرتا لیکن اس کے ارادتمند اسے نائب امام کہتے ہوں اور یہ بات اس کے علم میں آجائے اور وہ تردید کرسکنے کے باوجود تردید نہ کرے تو وہ بھی جھوٹا اور کذاب ہے۔

نیابت عامہ:

کہا جاتا ہے کہ چوتھے نائب کی وفات کے بعد امام علیہ السلام کا نائب خاص تو کوئی نہیں ہے لیکن اب ان کی نیابت عمومی ہے اور سب مراجع تقلید ان کے عمومی نائب ہیں۔ یہ بات کہنے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ نیابت عمومی کی آڑ میں نیابت کا منصب اپنے پاس رکھا جائے اور شیعہ عوام پر اپنی حاکمیت قائم رکھ کر ان کا استحصال کیا جائے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ امام علیہ السلام نے چوتھے نائب کی وفات سے قبل ان سے یہ نہیں فرمایا کہ تمہاری وفات کے بعد میری نیابت خاصہ ختم ہوجائے گی لیکن علماء وفقہاء کو میری نیابت عمومی حاصل ہوگی۔ لہٰذا نیابت عمومی کی بات

بالکل بے بنیاد ہے۔ثانیاً اگر نیابت عامہ نام کی کوئی چیز ہو بھی تو اس کے معنی کیا ہیں؟اس کے معنی سمجھنے کے لیئے اس مثال پر غور کریں:

فرض کریں پاکستان کے صدر مملکت یا وزیر اعظم امریکہ کے دورے پر جاتے ہیں۔ وہاں جا کر وہ امریکہ میں مقیم پاکستانیوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہیں۔اس خطاب میں وہ کہتے ہیں کہ آپ سب امریکہ میں پاکستان کے سفیر ہیں،آپ کے اچھے برے عمل سے لوگ پاکستانی قوم کے بارے میں اچھی یا بری رائے قائم کریں گے،لہٰذا آپ کو امریکہ میں ذمہ دارانہ طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔

سفارت عمومی یا نیابت عمومی نام کی کوئی چیز ہوتی ہے تو وہ اس قسم کی ہوتی۔اس سے کسی شخص کو سفیر یا نائب والی اتھارٹی اور اختیارات حاصل نہیں ہو جاتے۔لہٰذا امام علیہ السلام کی نیابت عامہ نام کی کوئی چیز اگر ہے تو وہ امام علیہ السلام کے ہر ماننے والے کو حاصل ہے جیسا کہ ان احادیث سے ظاہر ہے:

(1)شقرانی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے کا ایک محب اہل بیت تھا۔لیکن گناہ و بدکاری کے معاملے میں لا ابالی رویہ رکھتا تھا۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

ان الحسن من کل احد حسن و انه منك احسن لمکانك منا و ان القبیح من کل احد قبیح و انه منك اقبح لمکانك منا

ترجمہ:اچھا کام کسی سے بھی ہو اچھا ہی ہوتا ہے لیکن تم سے ہو تو زیادہ اچھا ہے اس لیئے کہ تمہیں ہم سے نسبت ہے اور برا کام کوئی بھی کرے وہ برا ہی ہوتا ہے لیکن تم کرو تو زیادہ برا ہے اس لیئے کہ تمہیں ہم سے نسبت ہے۔ (بحارالانوار 47:349)

اسی بات کو ایک حدیث میں آپ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

کونوا لنا زینا ولا تکونوا علینا شینا

ترجمہ:ہمارے لیئے زینت بنو ہمارے لیئے باعث شرمندگی نہ بنو۔ (بحارلانوار 65:151)

بعض لوگ نیابت عامہ کو ثابت کرنے کے لیئے اس روایت کا سہارا لیتے ہیں کہ حضرت حجت علیہ السلام نے فرمایا کہ نئے پیش آنے والے مسائل

میں ہماری احادیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو، وہ تم پر میری حجت ہیں ۔انہم حجتی علیکم ۔لیکن یہ بھی محض ایک فریب کاری ہے۔اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری زندگی میں کوئی مسئلہ پیش آجائے اور تمہارے اردگرد کوئی ایسا شخص رہتا ہو جو ہماری احادیث اور ہمارے احکام کو جانتا ہوتو اس نئے پیش آنے والے مسئلہ میں اندھادھند اور جاہلانہ عمل نہیں کرنا بلکہ اس شخص سے حکم شرعی معلوم کر کے اس کے مطابق عمل کرنا ہے۔اگر ایسا نہ کرو گے تو قیامت کے دن یہ بہانہ نہیں کرسکو گے کہ میں اس مسئلہ کا حکم نہیں جانتا تھا۔تم سے یہ کہہ کر تمہارا بہانہ ختم کر دیا جائے گا کہ فلاں شخص موجود تھا اس سے علم حاصل کیوں نہ کیا؟ یہ ہیں حجت کے معنی۔اس میں نیابت والی بات کہاں سے آگئی۔

یہ بات بھی مدنظر رہے کہ جب امام علیہ السلام نے یہ ارشاد مبارک فرمایا اس زمانے میں احادیث آئمہ کتابوں کی صورت میں ہر ایک کی دسترس میں موجود نہ تھیں۔لہٰذا احادیث آئمہ کو جاننے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ ان احادیث کے علماء کی طرف رجوع کر کے ان سے پوچھا جائے۔لیکن دور حاضر میں جب کہ آئمہ کی احادیث کتب کی صورت میں موجود ہیں اور ان کے تراجم بھی موجود ہیں، تو یہ کتب بھی امام علیہ السلام کی حجت ہیں۔مثال کے طور پر اگر کسی کے گھر میں نہج البلاغہ کا ترجمہ موجود ہے اور وہ تقویٰ کی زندگی نہیں گزارتا تو اس پر حجت تمام ہے اس لیئے کہ تقویٰ کے بارے میں مفصل رہنمائی اس کے گھر میں موجود ہے۔

(اس حدیث انہم حجتی علیکم کے بارے میں مزید تفصیل کے لیئے ملاحظہ فرمائیں ہماری کتاب: تحقیق مسائل تقلید)

حجت کے معنی میں بہت وسعت اور عمومیت پائی جاتی ہے۔بنیادی طور پر حجت اس دلیل کو کہتے ہیں جس کی موجودگی میں کسی کے لیئے عذر اور بہانے کی گنجائش باقی نہ رہے۔مثال کے طور پر ایک شخص اپنے ملازم سے کہتا ہے کہ بازار سے ایک کلو پھل لے آؤ۔اب ملازم بازار جا کر ایک کلو سیب لے آتا ہے۔مالک اس پر یہ اعتراض نہیں کرسکتا کہ تم سیب کیوں لائے ہو؟ اس لیئے کہ اس نے ایک کلو پھل کہا تھا اور ایک کلو سیب لا کر ملازم نے اس کا حکم پورا کر دیا۔اب حجت ملازم کے حق میں اور مالک کے خلاف ہے۔لیکن اگر مالک اسے یہ حکم دیتا کہ ایک کلو آم لے آؤ اور ملازم ایک کلو آم کی بجائے ایک کلو سیب لے آئے تو اس صورت میں حجت مالک کے حق میں ہوگی اور وہ ملازم کا مواخذہ کرسکتا ہے۔

حجت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ایک شخص کسی ایسے سرکاری ادارے میں کام کرتا ہے جہاں تنخواہ کم ہے لیکن ناجائز آمدنی کے مواقع بہت زیادہ ہیں اور لوگ ان سے بھرپور فائدہ بھی اٹھا رہے ہیں ۔لیکن اسی ادارے میں ایک شخص نہایت ایمانداری سے اپنے فرائض انجام دیتا ہے اور اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھا کر کوئی حرام کی کمائی نہیں کرتا۔قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب ان کا حساب لے گا تو اس وقت حرام کمانے والوں کی طرف سے اگر یہ کہا جائے کہ ہماری آمدنی کم تھی ،جائز آمدنی میں گزارہ ممکن نہیں تھا اس لیئے حرام کمانے پر مجبور تھے ۔اس وقت اللہ تعالیٰ اس ایماندار اور حلال کی آمدنی پر اکتفا کرنے والے شخص کو حجت کے طور پر ان کے سامنے لے آئے گا کہ یہ بھی تمہاری طرح تھا اور تمہارے حالات جیسے حالات رکھتا تھا۔اس کے باوجود حرام سے اجتناب کر کے رزق حلال کے ساتھ عزت کے ساتھ اپنے معاملات چلاتا رہا۔اگر تم چاہتے تو تم بھی ایسا کر سکتے تھے ۔اس سرکاری ادارے میں کام کرنے والے اس ایماندار شخص کا اللہ کی حجت ہونے کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ اسے اس دنیا میں بھی ان لوگوں پر کوئی حاکمیت اور اتھارٹی حاصل ہوگئی ہے۔

ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں :ایک باایمان مسلمان خاتون کسی ادارے میں کام کرتی ہے ۔وہ اپنے فرائض انجام دیتے وقت شرعی حجاب کی پوری طرح سے پابندی کرتی ہے ۔اسی ادارے میں اور بھی مسلمان خواتین کام کرتی ہیں جو حجاب کی پابندی نہیں کرتی ہیں اور ان کا بہانہ یہ ہے کہ حجاب کے ساتھ کام کرنا ان کے لیئے بہت مشکل یا ناممکن ہے ۔قیامت کے دن اگر وہ اللہ کے سامنے یہ عذر لنگ پیش کریں گی تو اللہ تعالیٰ اس باحجاب خاتون کو حجت کے طور پر ان کے سامنے کھڑا کر دے گا کہ یہ بھی اسی ادارے میں اور انہی حالات میں تھی مگر اس نے شرعی حجاب کی پابندی کی ۔اگر تم چاہتیں تو تم بھی ایسا کر سکتی تھیں ۔یہ باحجاب خاتون ان بے حجاب خواتین پر حجت ہے،لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ اس خاتون کو اپنے ادارے میں کام کرنے والی دوسری خواتین پر کوئی حاکمیت یا اتھارٹی حاصل ہوگئی ۔

ایک مثال اور بھی لے لیجیئے :اگر آپ یا آپ کے خاندان کا کوئی شخص بیمار ہو جائے تو آپ پر اپنا اور خاندان کے بیمار افراد کا علاج کروانا واجب ہے،اگر آپ علاج نہیں کرواتے تو اللہ کے ہاں گناہگار رہیں اور سزا کے مستحق ہیں ۔اگر علاج مہنگا ہو،مشکل ہو اور آپ کی دسترس سے باہر ہو تو آپ معذور ہوں گے ۔لیکن اگر آپ کے قرب و جوار میں جہاں تک آپ آسانی سے آجا سکتے ہوں،کسی شخص یا تنظیم نے فری ڈسپنسری یا ہسپتال بنوایا ہوا ہے

جہاں سے آپ علاج کروا سکتے ہیں اور اس کے باوجود آپ وہاں سے علاج نہیں کرواتے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آپ سے باز پرس کرے گا۔ آپ کوئی بہانہ بنائیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ سے کہہ دے گا کہ فلاں شخص یا تنظیم کا فری شفاخانہ موجود تھا تم نے علاج کیوں نہیں کروایا۔ یعنی یہ شفاخانہ، خواہ کسی غیر مسلم فرد یا تنظیم کا ہو، اللہ کی طرف سے آپ پر حجت ہے۔ اب اس شفاخانے کے حجت ہونے کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ اس شفاخانہ کے مالک فرد یا تنظیم کو دنیا میں آپ پر حکومت کرنے کا اختیار بھی ہے۔

اگرچہ ان مثالوں سے بات کافی حد تک واضح ہوگئی ہے لیکن ایک اور مثال بھی دیکھ لیجیے: آپ کسی اعلیٰ سرکاری یا معاشرتی منصب پر فائز ہیں اور ظاہری مال و دولت کے لحاظ سے بھی بہت زیادہ صاحب حیثیت ہیں۔ آپ کا کوئی گھریلو ملازم، خانساماں، مالی، ڈرائیور وغیرہ ایک دین دار اور باعمل شخص ہے اور دینی مسائل کا علم رکھتا ہے اور اس بات کا علم آپ کو بھی ہے۔ پھر آپ کو کوئی مسئلہ پیش آجاتا ہے، آپ اپنے اس ملازم سے جس کی معاشرتی حیثیت (Social Status) آپ سے بہت کم تر ہے، اس مسئلہ کا حکم پوچھ سکتے ہیں لیکن نہیں پوچھتے اور بغیر علم کے کوئی غلط قدم اٹھا لیتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ آپ کے اس ملازم کو آپ پر حجت کے طور پر پیش کردے گا کہ میرا یہ بندہ جو میرے احکام کا علم رکھتا تھا تمہارے گھر میں رہتا تھا، جب تم جانتے تھے کہ وہ ان مسائل کا علم رکھتا ہے تو تم نے اس سے پوچھا کیوں نہیں؟ اب یہ ملازم آپ پر اللہ کے سامنے حجت ہے لیکن کیا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اسے آپ پر حکومت اور حکمرانی کا حق بھی حاصل ہوگیا۔ علماء کے حجت ہونے کا بالکل یہی مطلب ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انہیں کوئی حاکمیت اور حاکمانہ اختیارات بھی حاصل ہوگئے ہیں۔

علماء اس لحاظ سے حجت ہیں کہ اگر کوئی شخص احکام شرعی کا علم نہیں رکھتا تو اس پر لازم ہے کہ علماء سے علم حاصل کرے۔ اگر علم حاصل نہیں کرے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا مؤاخذہ فرمائے گا کہ تمہارے معاشرے میں علماء موجود تھے، تم نے ان سے علم حاصل کیوں نہیں کیا۔ اس طرح حجت ہونے کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ علماء کو ان پر کوئی اقتدار اور حاکمیت حاصل ہوگئی ہے۔

بنابریں زمانہ غیبت کبریٰ میں کوئی نائب امام نہیں ہے۔ نیابت عمومی نام کی کوئی چیز اولاً تو ہی نہیں، اور اگر مجازاً ایسی کسی چیز کا وجود مان بھی لیا

جائے تو وہ فقہاء اور مجتہدین میں محدود نہیں ہے، بلکہ وہ ہر شیعہ کو حاصل ہے، کہ وہ امام علیہ السلام کے ساتھ نسبت کی وجہ سے ذمہ دارانہ طرز عمل اختیار کر کے ان کے لیئے زنیت بنے ان کے لیئے بدنامی کا سبب نہ بنے۔علماء کے لیئے یہ نیابت عمومی ہے اس حد تک ہے کہ وہ آئمہ معصومین کے احکام کو بیان کرنے کے ذمہ دار ہیں اور یہ نیابت عمومی قم یا نجف میں بیٹھے چند بزرگ افراد سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر وہ عالم جو احکام دین کا علم رکھتا ہے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دیتا ہے اسے بھی یہ نیابت حاصل ہے، خواہ بظاہر وہ آپ کا ملازم اور چپڑاسی ہی کیوں نہ ہو۔

☆☆☆

کیا آیت اللہ خامنہ ای ولی فقیہ ہیں؟

ولایت فقیہ کے حوالے سے ایک اور اہم بات بھی ضرور یادرکھنے کی ہے کہ جس ملک میں نظام ولایت فقیہ قائم کیا گیا تھا، حقیقت میں اب خود وہاں بھی نظام ولایت فقیہ موجود نہیں ہے۔اس لیئے کہ منصب ولایت فقیہ پر ایسے شخص کا تقرر کردیا گیا ہے جو خود یہ اقرار اور اعتراف کر چکا ہے کہ وہ فقیہ نہیں ہے، صاحب نظر مجتہد نہیں ہے۔

آیت اللہ خمینیؒ کی وفات کے بعد ولی فقیہ کے انتخاب کے لیئے مجلس خبرگان کا اجلاس ہوا، جس میں سید علی خامنہ ای صاحب کو ولایت فقیہ کے منصب پر نصب کردیا گیا۔اپنے انتخاب سے پہلے انہوں نے اس اجلاس میں جو تقریر کی اس کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے۔اصل تقریر یوٹیوب پر اس لنک پر دیکھی جاسکتی ہے۔https://youtu.be/oyfsP_m7imA

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اولاً اور واقعاً اس اسلامی معاشرے پر خون کے آنسو رونا چاہیے جس میں مجھ جیسے شخص کو رہبر بنانے کا خیال بھی پیدا ہو، میں ابھی اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا، یہ مسئلہ فنی لحاظ سے بھی مشکل ہے، اس میں بنیادی قسم کی مشکل ہے، میں پہلے بھی آقائے رفسنجانی کو بتا چکا ہوں، ایک دو ہفتہ قبل

یہی مسئلہ زیر بحث تھا اور میں نے دوٹوک الفاظ میں ان سے کہہ دیا تھا کہ میں ایسی کسی چیز کو قبول نہیں کروں گا۔قطع نظر اس سے، میں خود حقیقتاً اس عہدے کے لائق نہیں ہوں، اور میں اس بات کو جانتا ہوں اور بہت سے آقایان بھی جانتے ہیں۔فنی لحاظ سے یہ مشکل مسئلہ ہے، یہ رہبری، رہبری کی شکل تو ہوگی، حقیقی رہبری نہیں ہوگی۔آئینی لحاظ سے اور شرعی لحاظ سے بہت سے آقایان کے لیئے میری بات میں رہبر کی بات والی حجیت نہیں پائی جاتی، یہ کیسی رہبری ہوگی؟ آئین کہتا ہے کہ رہبر مرجع ہوگا، مرجع شانی یا مرجع فعلی، شرعی لحاظ سے بھی رہبر کی بات اس صورت میں حجت ہوتی ہے جب اس کی بات پر عمل کرنے والا اسے دینی مسائل میں فقیہ اور صاحب نظر مانتا ہو۔ابھی اسی اجلاس میں بعض آقایان آئے اور تقریر کی اور واضح طور پر کہا کہ میں صاحب نظر نہیں ہوں، یہی آقائے آذری جنھوں نے پہلی بار اس اجلاس میں میرا نام تجویز کیا، اگر میں انہیں حکم دوں تو کیا وہ قبول کریں گے؟ قطعاً قبول نہیں کریں گے (حاضرین کا شور: رہبر بن جانے کے بعد کریں گے۔۔۔) آخر امام۔۔۔۔۔ (خامنہ ای صاحب کچھ کہنا چاہتے ہیں لیکن حاضرین کا شور: ہم آپ کی تقلید نہیں کر رہے)۔۔۔ (خامنہ ای صاحب کہتے ہیں): بحث تقلید کے بارے میں نہیں حکم کے بارے میں ہے۔۔۔ (حاضرین میں سے ایک صاحب کہتے ہیں کہ اگر کچھ صاحبِ نظر افراد کسی کو کسی عہدے پر مقرر کر دیں تو وہ اس عہدے کو قبول کر سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔۔۔ خامنہ ای صاحب جواب دیتے ہیں:) پھر یہ ولایت فقیہ نہیں ہوگی، عادل مومنین کی ولایت ہوگی۔۔۔

میں بہر حال مخالف ہوں۔۔۔۔۔ (اور خامنہ ای صاحب مائیک چھوڑ دیتے ہیں)

اس تقریر میں خامنہ ای صاحب نے مندرجہ ذیل باتوں کا اعتراف کیا ہے:

☆ میں صاحبِ نظر نہیں ہوں۔یعنی میں فقیہ نہیں ہوں، مجتہد نہیں ہوں اور ولی فقیہ کے عہدے کا اہل نہیں ہوں۔

☆ اگر مجھے رہبر بنایا گیا تو یہ ایک نمائشی رہبری ہوگی، حقیقی رہبری نہیں ہوگی۔

☆ میری بات میں رہبر کی بات والی حجیت نہیں پائی جاتی۔

☆ اگر مجھے نصب کیا جاتا ہے تو یہ ولایت فقیہ نہیں ہوگی بلکہ عادل مومن کی ولایت ہوگی۔

اس نکتہ کا ذکر ضروری ہے کہ ولایت فقیہ کی ''سب سے مضبوط دلیل '' مقبولہ عمر بن حنظلہ کے مطابق، ایک سے زیادہ فقہاء کی موجودگی میں ولی فقیہ وہ فقیہ ہوگا جو افقہ ہوگا۔ افقہ کے معنی ہیں فقاہت میں دوسرے سب فقہاء سے برتر۔ یعنی نہ صرف یہ کہ اس کا فقیہ ہونا ثابت ہو بلکہ یہ بھی ثابت ہو کہ وہ فقیہ ہونے میں دوسرے فقہاء سے برتر ہے۔ لیکن یہاں افقہ کے منصب پر ایسے شخص کو نصب کر دیا گیا ہے جو سرے سے فقیہ ہی نہیں ہے اور خود اس بات کا اعتراف بھی کر رہا ہے۔

لہٰذا یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت عملی طور پر کہیں بھی ''ولایت فقیہ '' نافذ نہیں ہے۔ جہاں بظاہر نافذ ہے وہاں خود اس ولی فقیہ کے بیان کے مطابق نمائشی ولایت فقیہ ہے، حقیقی ولایت فقیہ نہیں ہے۔

☆☆☆

نتیجہ بحث

اس ساری بحث کے نتیجہ میں یہ نکات سامنے آتے ہیں:

☆ ولایت فقیہ بمعنی حکومتِ فقیہ ضروریاتِ دین اور ضروریاتِ مذہب شیعہ میں سے نہیں ہے۔

☆ ولایت فقیہ بمعنی حکومتِ فقیہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔جس پر شیعہ فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

☆ متقدمین اور متاخرین فقہاء کی اکثریت ولایت فقیہ بمعنی حکومتِ فقیہ کی قائل نہیں ہے۔

☆ فقہاء کی اکثریت کے برعکس بعض فقہاء ولایت فقیہ بمعنی حکومتِ فقیہ کے قائل ہیں۔

پس جو مسئلہ ضروریاتِ دین اور ضروریاتِ مذہب میں سے نہیں ہے، جس پر مجتہدین میں اجتہادی اختلاف پایا جاتا ہے، فقہاء کی اکثریت جس کی قائل نہیں ہے، صرف بعض فقہاء اس کے قائل ہیں، اس مسئلہ کو ایک بنیادی اور اہم مسئلہ بنا کر پیش کرنا، اس پر سیاست کرنا، اس کے بارے میں انتہاء پسندانہ اور متشددانہ رویہ اختیار کرنا، اس کی بنیاد پر قوم میں اختلاف اور فتنہ پیدا کرنا ایک غلط سیاسی روش کے سوا کچھ نہیں ہے۔ایسا کرنے والے قوم اور مذہب کی کوئی خدمت نہیں کر رہے۔

اللہ تعالی ہم سب کو حقیقت پسندانہ اور عادلانہ رویہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔بحق محمد وآل محمد

☆☆☆